

بریک کاشیش ناگ



اے حمید

مونت کا تقابلی مطالعہ
تاریخ کی پراسرار اور سچی داستان

ہڑپہ کا شیش ناگ

اے۔ حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

طابع : شیخ نسیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز

جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت :  روپے

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز،

۱۹۹- سرکر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۷۴۰۰۰/۲

ISBN • 969 - 31 - 0369 - 6

- پہلا باب ————— جادوگر کی شکست
 دوسرا باب ————— نقائیس کی تلاش
 تیسرا باب ————— جادوگر کا انتقام
 چوتھا باب ————— پُر اسرار نقائب
 پانچواں باب ————— ہڑیہ کاشیش ناگ
 چھٹا باب ————— وحشی ملکہ
 ساتواں باب ————— مصیبت کا سفر
 آٹھواں باب ————— خونخوار عمیکا
 نواں باب ————— محرائے گوبی سے فرار
 دسواں باب ————— پھر قید میں

سنو پیارے بچو !
 ہمارا ہیرو عنبر اکیلا صحرا میں سفر کرتا چلا جا رہا ہے ۔
 صحرا کے ایک مندر میں رقص کرتی رقاصہ اُسے موہنجو داڑو ۔
 آنے کے لیے کہتی ہے ۔ عنبر اس دعوت کے ساتھ ہی
 تاریخ عالم کی ایک پرانی تہذیب میں داخل ہوتا ہے ۔
 وہ بادبانی جہاز میں سفر کرتا موہنجو داڑو پہنچتا ہے ۔ عنبر
 مندر میں پہنچ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے ۔ بڑا پردہت اُسے
 دربار میں پیش کرتا ہے ۔ بادشاہ عنبر کو موت کی سزا
 سنانا ہے ۔ مگر عنبر پر موت کا وار اثر نہیں کرتا ۔ بادشاہ
 عنبر کا دوست بن جاتا ہے ۔ صحرا کی شہزادی تختابیس مردانہ
 لباس میں سفر کرتی ، صحراؤں میں سے گذرتی ، قافلے کے
 ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھ رہی ہے ۔ بادشاہ عاتکہ
 کی کھال کھینچوانے کا حکم دیتا ہے مگر ہمارا ہیرو عنبر اُسے
 بچا لیتا ہے ۔ اس کے آگے اس ناول میں پڑھیے ۔
 اے حمید

جادو کی شکست

مانکہ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے پہنچا دیا گیا۔
 اب عنبر کو دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ بڑے پردہست
 نے اعلان کیا کہ اب اُس شخص کو دربار میں پیش کیا
 جائے گا جس نے نوجوان لڑکی عاتکہ کو دیوتاؤں کی رسم
 کے مطابق اپنے مردہ شوہر کے ساتھ جل مرنے سے
 بچایا تھا۔ شہزادے کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ ایک
 اجنبی شخص نے اُس کے ملک کے دیوتاؤں اور وال کے
 لوگوں کے مذہب کے خلاف ایک زبردست قدم اٹھایا
 تھا۔ بڑے پردہست کے اعلان کے بعد عنبر کو دربار
 میں پیش کر دیا گیا۔ وہ بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔
 عنبر دربار میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے غور سے
 اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ تو گویا یہ وہ نوجوان تھا جس
 نے اُس کے بڑے پہاڑی کو ہلاک کر کے دیوتاؤں کی
 توہین کی تھی۔ وہ غصے میں کانپنے لگا۔ بڑے پردہست
 نے کہا۔

”حضور! یہ وہ نوجوان ہے جس نے ہمارے مقدس
 بڑے پجاری کو ہلاک کر دیا اور اپنے خاندان کے ساتھ
 زندہ جل مرنے والی لڑکی کو بھگتا کر لے گیا۔

شہزادے نے کہا
 ”اے نوجوان! کیا تم اس الزام سے انکار کرتے ہو؟
 عنبر نے کہا۔

”نہیں شہزادہ سلامت!“
 شہزادے کے ساتھ سارے درباری حیران رہ گئے کہ
 مجرم نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے جرم کو تسلیم
 کر لیا تھا۔ شہزادے کی ماں نے عنبر سے پوچھا۔
 ”کیا تم کو معلوم ہے کہ اس جرم کی سزا کتنی بھیانک
 ہے؟“

عنبر نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔
 ”جانتا ہوں ملکہ عالیہ!“

”تو کیا تمہیں سزا کا ڈر نہیں ہے؟“
 ”میں صرف خدائے واحد سے ڈرتا ہوں ملکہ سلامت۔
 مجھے دنیا میں اور کسی سے کوئی ڈر یا خوف نہیں ہے۔“
 شہزادے نے بلند آواز میں کہا۔

”تم نے ہمارے بڑے پجاری کو قتل کرنے کی جرات کی“

عنبر نے کہا

”شہزادہ سلامت ! وہ مجھ سے مقابلے پر اتر آیا تھا۔
اگر میں اُسے ہلاک نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ وہ
ایک انتہائی خوفناک اور غیر انسانی فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔
میں یہ برداشت نہ کر سکا۔ جس طرح اُس نے ادا کرنے
کی کوشش کی اسی طرح میں نے بھی اپنا فرض ادا پورا
کیا اور نوجوان بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلنے سے
بچا لیا۔“

بڑے پردہست نے چیخ کر کہا۔

”تم نے ہمارے دیوتاؤں کی اور ہمارے مذہب کی
توہین کی ہے۔ ہم اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم
تمہیں اس کی سخت سے سخت سزا دیں گے۔“
عنبر نے کہا۔

”شہزادہ سلامت ! بڑے پردہست سے پوچھیں کہ
انہوں نے چتا میں آگ لگانے کی ہزار بار کوشش کی
مگر ایک بار بھی لکڑیوں نے آگ نہ پکڑی۔ آخر اس کی
کیا وجہ تھی؟ کیا اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ دیوتا ہرگز
نہیں چاہتے تھے کہ ایک زندہ لڑکی حاکم اپنے مردہ
خاندان کے ساتھ آگ میں جل مرے؟“

”یہ بکواس ہے۔“ بڑے پردہت نے چیخ کر کہا۔
 دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق لڑکی کو جلا دینا چاہیے تھا۔
 ”تو پھر تم لوگ اسے کیوں نہیں جلا سکے؟“ عنبر نے
 پوچھا۔

بڑے پردہت نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”اس لئے شہزادہ سلامت کہ اس نوجوان نے آگ
 پر جادو کر دیا تھا۔ یہ شخص جادوگر بھی ہے۔ اس کے
 جادو کی وجہ سے آگ نہیں جلی۔“
 شہزادے نے پوچھا۔

”کیا تم جادوگر بھی ہو اے نوجوان؟“
 عنبر مسکرایا۔

”ہرگز نہیں شہزادہ سلامت! میں جادوگر نہیں ہوں۔
 میں تو ایک عام انسان ہوں جو ملک افریقہ سے تجارت
 کی غرض سے آپ کے شہر آیا ہے۔“
 ”پھر چتا پر لکڑیوں نے آگ کیوں نہیں پکڑی تھی؟“
 شہزادے نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔
 ”اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دیتا اس ہلاکت کے
 خلاف تھے۔“

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ لڑکیاں ہمیشہ اپنے خاندانوں کے ساتھ زندہ آگ میں جلتی آتی ہیں اور کبھی دیرتا ناراض نہیں ہوتے۔ پھر اس دفعہ انہیں خاص طور پر ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟“

بڑے پردہست کے اس سوال کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ شہزادے نے بھی عنبر کی طرف دیکھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر عنبر خاموش رہا۔ وہ کوئی جواب دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے بحث فضول تھی۔ عنبر چاہتا تھا کہ وہ لے جو سزا دینا چاہتے ہیں دے دیں تاکہ اس وقت شہزادے اور درباریوں پر یہ بھید کھلے کہ جس نوجوان کو وہ مار ڈالنا چاہتے ہیں وہ مر نہیں سکتا۔ شہزادے نے عنبر کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

”کیا واقعی تم جادوگر ہو؟“
”نہیں شہزادہ سلامت!“

شہزادے نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اعلان کیا۔

”کل اس لڑکی کے ساتھ اس نوجوان کی بھی کھال کھینچ کر اس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دی جائے۔ تاکہ لوگوں کو نصیحت ہو کہ دیوتاؤں کی

تڑپیں کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔
 سارے درباریوں نے بادشاہ کے اس فیصلے پر خوشی
 سے "تالیاں بجاتیں۔ بڑا پروہت بڑا خوش تھا کہ اُس
 کے دوست کے قاتل کو ٹھیک سزا ملی۔ اُس نے شہزادے
 سے کہا۔

”شہزادہ سلامت! میری درخواست ہے کہ کل جس
 وقت ان کافروں کی کھال کھینچی جائے تو آپ بھی
 وہاں موجود ہوں۔“

شہزادے نے کہا

”ایسا ہی ہوگا۔ ہم وہاں موجود ہوں گے۔“
 دربارہ درخواست ہو گیا۔ سپاہی عنبر کو لے کر قید خانے
 کی طرف چلے گئے۔ ساری رات عنبر سو نہ سکا۔ اُسے
 عاتکہ کے بارے میں پریشانی تھی کہ موت کی سزا سن
 کر وہ کہیں صدمے سے پہلے ہی جان نہ دے دے۔
 اُس کی کوٹھڑی وہاں سے کافی فاصلے پر تھی۔ اگر وہ
 قریب ہوتی تو عنبر اُسے ضرور حوصلہ دیتا۔ مگر اب وہ
 کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی پرہیزگار کے ہاتھوں پیغام
 بھی نہیں بھیج سکتا تھا۔

سی سوچ بچار میں مصروف ہو گئی۔ سپاہی آئے اور

اُن دونوں کو لے کر اس جگہ لے چلے جہاں اُن دونوں کی کھال کھینچوائی جاتے دالی تھی۔ شہزادہ پہلے ہی سے وہاں تخت پر موجود تھا۔ جلد بڑا سا پھڑا ہاتھ میں لئے تیار کھڑا تھا۔ اُس کا کام محض اتنا تھا کہ بادشاہ کے حکم پر اُن دونوں کی باری باری کھال کھینچ دے۔ عنبر اور عاتکہ جب وہاں لائے گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عاتکہ بے چاری کا خوف سے مارے بُرا حال تھا۔ اُن کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ ایک بجا رات میں صدمے سے پکھل کر دبی ہو گئی تھی۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”خداے عظیم کے حوالے عنبر! اب ہم اگلی دنیا میں ملیں گے۔ یہ لوگ اب ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اب ان ظالموں کے ظلم سے نہیں بچا سکتی۔“

عنبر نے عاتکہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”عاتکہ! خداے عظیم کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اگر چاہے تو ایک کسب بچے کو سمندر کے طوفان سے بچا سکتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو صحرا

میں پھول اُگا سکتا ہے اور سمندر میں پہاڑ پیدا کر سکتا ہے۔ تم بالکل نہ گجراؤ اور خدائے عظیم کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔

”مگر عنبر! یہ لوگ تو چھڑے لیے میرے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ ابھی میری کھال کھینچ دیں گے۔“
 ”اپنا دھیان خدا کی طرف رکھو عاتکہ! یقین کرو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔“

بڑے پردہست نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”شہزادہ سلامت اجازت دیں کہ ان کافروں سے اپنے دیوتاؤں کی توہین کا بدلہ لیا جائے۔“
 شہزادے نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا۔
 ”اجازت ہے۔“

بڑے پردہست نے جلاد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”سب سے پہلے لڑکی کو لایا جائے۔“
 یہ سن کر عاتکہ بیچاری کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اُس کا رنگ بلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ دو سپاہی اُسے گھسیٹ کر ہونے درمیان میں چبوترے پر لائے اور اُسے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ عاتکہ پر بے ہوشی کی حالت طاری تھی۔ بڑے پردہست نے ایک ہاتھ آسمان

کی طرف اٹھا کر کہا -

"اے عظیم دیوتا مردوک ! اس لڑکی نے تیرے اصولوں کی توہین کی اُس نے اپنے خاندن کے ساتھ جل مرنے سے انکار کیا - یہ بھاگ گئی اور تمہارے قانون کا مذاق اڑایا - ہم تمہاری توہین اور بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اس کی کھال کھینچ رہے ہیں - اب تمہیں خوش ہو جانا چاہیے۔"

پردہت نے جلاؤ کو اشارہ کر دیا۔

جلاؤ نے آگے بڑھ کر چھرا اٹھایا اور عاتکہ کے سر کے بال کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اب اُس نے اُس کی کھال اتار لی تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ سر کے درمیان میں چھرے سے شکاف دے کر کھال کھوڑی سے اوپر کاٹ دی جاتی تھی اور پھر اُسے آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھینچا جاتا تھا۔ اس سے مرنے والے کو بے حد اذیت ہوتی تھی۔ وہ درد اور کرب سے چلاتا تھا مگر جلاؤ اپنے ہولناک کام میں لگا رہتا تھا۔ عنبر کے لیے یہ لمحہ بڑا فکر انگیز تھا۔ بڑا خطرناک تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی عاتکہ کو اس بے دردی سے موت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے خیال ہی خیال میں آنکھیں بند کر کے بلیطیں
 کی بہن دیوی کو یاد کیا اور کہا کہ وہ اُس کی اور
 عالمکے کی مدد کو آئے۔ اُس نے تین بار اُسے خاموشی کی
 زبان میں پکارا۔ تیسری بار پکارنے پر دیوی ظاہر ہو
 گئی اور اُس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اُس کو
 سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیوی نے
 کہا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے“
 عنبر نے کہا۔

”اے دیوی! اس بے گناہ لڑکی کی مدد کر۔ اس
 نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ معصوم ہے۔ اس کی مدد
 کرنا تمہارا فرض ہے۔“

دیوی مسکرائی اور کہنے لگی

”گھبراؤ نہیں عنبر! میں اس لڑکی کی ضرور مدد کروں گی۔
 یہاں کسی میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میرے ہوتے
 ہوئے اس لڑکی کو کچھ کہہ سکیں۔ تم دیکھتے جاؤ کہ میں
 کیا کرتی ہوں۔“

”تمہارا شکریہ دیوی! اگر آج تم میری مدد کو نہ
 آتی تو یہ لوگ اس بے گناہ کی کھال بکینچ اسے

اذیت کی موت مار چکے ہوتے۔“

”ایسا ہرگز نہیں ہوگا عنبر! ہرگز نہیں ہوگا۔“
 اس دوران میں جلاّد نے چھرا اٹھایا۔ ستون کے ساتھ
 بندی ہوئی لڑکی نے ایک خوفناک چیخ ماری۔ جلاّد نے
 چھرا لہرایا اور قریب تھا کہ وہ بڑے زور کے ساتھ
 عاتکہ کے سر میں ایک گہرا شگاف ڈال دیتا کہ اچانک
 اس کے ہاتھ سے چھرا چھن کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔
 جلاّد پریشان سا ہو گیا۔ شہزادہ اور پردہت بھی تعجب
 کرنے لگے۔ جلاّد نے جلدی سے چھرا اٹھا لیا اور دوسری
 بار لڑکی کے سر پر حملہ کرنے لگا۔ ابھی چھرا عاتکہ کے
 سر کے قریب ہی آیا تھا کہ جلاّد کے ہاتھ سے چھرا
 اچھل کر فضا میں بلند ہوا اور پھر بڑی تیزی کے ساتھ
 اس کے کندھے پر ایسا لگا کہ جلاّد کی گردن تن سے
 الگ ہو کر فرش پر گر پڑی۔ دربار میں ایک کبرام
 مچ گیا۔

شہزادہ اُبھ کھڑا ہوا۔

یہ کیا ہو گیا؟

بڑے پردہت نے پیچ کر کہا۔

”یہ جادوگر ہے شہزادہ سلامت۔ اسے پہلے قتل کر

دیا جائے۔

شہزادے نے کہا۔

”پہلے اس نوجوان کو قتل کر دو۔“

دو سپاہی تلواریں لے کر عنبر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے تلواریں لہرائیں اور عنبر پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔ یہ ان کی بد نصیبی تھی۔ تلواریں ان کے ہاتھوں سے بھی چھوٹ کر پرے جا گئیں۔ شہزادے کے حکم سے دوسرے سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے نیزے بلند کئے وہ عنبر کو نیزوں میں پرو دینا چاہتے تھے۔ عنبر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ دیوی اس کی مدد کر رہی تھی۔ سپاہیوں کے ہاتھوں سے نیزے اچھلے اور پھر ان کے جسموں میں اتر گئے۔

سپاہی چیخ مار کر فرش پر گرے اور خون میں لت پت ترپنے لگے۔ شہزادے کی ماں نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

”کھڑو۔ اس نوجوان کے ساتھ جادوگر مقابلہ کریں گے۔“

یہ پردہست اور دربار کے جادوگروں کے امتحان کا وقت تھا۔ شہزادے نے بھی اپنی ملکہ والدہ کے خیال کی تائید کی۔ اور کہا کہ دربار کا سب سے بڑا جادوگر سامنے آئے اور عنبر کو زیر کرنے کی کوشش کرے۔ ان کا

خیال تھا کہ عنبر چونکہ جادوگر ہے اس لیے اُس پر کسی طاقت کا اثر نہیں ہوگا۔ اُسے صرف جادو کے زور ہی سے قابو کیا جاسکتا ہے۔ دربار کے بڑے جادوگر نے اٹھ کر شہزادے کو سلام کیا اور کہا۔
 ”غلام حاضر ہے عالم پناہ!“
 شہزادے نے کہا

”اے شاہی جادوگر! اس نوجوان کو اپنے جادو کے زور سے فتح کرو۔ اس نے ہمارے دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور ہمارے کئی آدمیوں کو اپنی جادوگری سے ہلاک کر دیا ہے۔“
 ”جو حکم عالم پناہ!“

جادوگر نے سر جھکا کر شہزادے کی تعظیم بجا لائی اور پھر اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔
 ”اے نوجوان! کیا تم جادوگر ہو؟ اگر جادوگر ہو تو اپنے استاد کو یاد کرو۔ اور میرا پہلا وار برداشت کرو۔“
 عنبر نے کہا۔

”میں جادوگر نہیں ہوں۔ بلکہ خداے واحد کی پرستش کرنے والا ہوں۔ میرا رب میری حفاظت کرتا ہے۔ میرا کوئی استاد نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کسی

سے جادو سیکھا ہے۔

شاہی جادوگر بولا۔

”تو پھر اپنے خدا کو کہو کہ وہ تمہیں میرے جادو سے بچاتے۔ میں تم پر وار کرنے لگا ہوں۔“

”میرا خدا ضرور میری مدد کرے گا۔“

عائکہ ستون کے ساتھ بندھی یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا۔ کہ وہ اللہ کے پھرے سے بچ جائے گی۔ اب وہ عنبر کے لیے دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ اے رب عظیم اسے اپنی پناہ میں رکھنا۔ دیوی بھی خدائے عظیم کے حکم سے عنبر کی مدد کر رہی تھی۔ عنبر اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑا تھا۔ شاہی جادوگر نے ایک ہاتھ اوبر اٹھا کر عنبر کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک زمین پر ایک شعلہ لپکا اور وہ شعلہ رقص کرتا ہوا عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔ عنبر کے قریب آ کر شعلے نے لپک کر عنبر کو جلا کر خاک کرنا چاہا۔ مگر عنبر نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور آگ کا شعلہ ایک دم یوں بجھ گیا جیسے کسی نے اس پر پانی کی بالٹی اٹھیل دی ہو۔ شاہی جادوگر نے دوسرا وار کیا۔ اس نے زمین پر پاؤں مارا۔ اور اس کے

ساتھ ہی سمندر کی ایک بہت بڑی طوفانی لہراٹھی اور
 عنبر کی طرف خوفناک تیزی کے ساتھ بڑھی۔ عنبر نے بھی
 اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ پاؤں زمین پر مارنے کی دیر تھی
 کہ سمندر کی طوفانی بجاپ بن کر اڑ گئی۔ شترادہ اور
 سارے درباری جبران ہو گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ
 نوجوان سا لڑکا دربار کے پرانے اور شاہی جادوگر کو
 کس طرح شکست دے رہا ہے؟ اس دفعہ شادی
 جادوگر نے غصے میں آکر اپنا ڈنڈا زمین پر پھینک دیا۔
 زمین پر ہزاروں زہریلے سانپ پیدا ہو گئے اور پھنکاتے
 ہوئے عنبر کی طرف بڑھنے لگے۔ عنبر نے بھی اپنا دوسرا
 پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی ایک
 جھبیاں اڑوا زمین پر نمودار ہوا اور اس نے شاہی
 جادوگر کے سارے کے سارے پھنکاتے ہوئے سانپ
 ایک ہی سانس کے ساتھ نگل کر ہڑپ کر لئے۔ شاہی
 جادوگر نے آخری وار کرنا چاہا مگر عنبر نے دیوی کو
 اشارہ کیا۔ شاہی جادوگر ایک قلابازی کھا کر فضا میں
 بند ہوا اور ہوا میں اٹا لٹکا دیا گیا۔ وہ مد مد کر آوازیں
 دینے لگا۔

”مجھے بخش دو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔“

جادوگر کی شکست کے ساتھ ہی سارے دربار کی
 فضا بدل گئی۔ بڑا پردہت غصے میں وہاں سے چلا
 گیا۔ شہزادے کو یقین ہو گیا تھا کہ عنبر سب سے بڑا
 جادوگر ہے اور اُسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ اُس
 نے عنبر کو ہلا کر کہا۔
 ”کیا تم نے یہ جادو دیوتاؤں سے سیکھا ہے؟“

پاکستانی قلم
 ڈاٹ کام

تھائیں کی تلاش

عنبہ مسکرا رہا تھا۔ اُس نے ستون کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”پہلے اس لڑکی کو آزاد کیا جائے۔“

شہزادے کے حکم سے عاتکہ کو اُسی وقت آزاد کر دیا گیا۔ عاتکہ آزاد ہوتے ہی دوڑتی ہوئی چبوترے سے نیچے اتری اور عنبہ کا ہاتھ چوم کر بولی۔

”اے مقدس انسان! خدائے عظیم نے اپنی رحمت سے ہماری جان بچالی۔“

عنبہ نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔
 ”عاتکہ! ہمیں ہر حالت میں اپنے رب عظیم کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر وہ ہم پر اپنی رحمت نازل نہ کرتا تو ہم اس دُلت خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے۔“
 شہزادے کی ملکہ والدہ بھی عنبہ کے پاس آگئی تھی۔
 شہزادے نے ایک بار پھر عنبہ سے پوچھا کہ اُس نے یہ جادو کہاں سے حاصل کیا ہے؟ عنبہ نے کہا۔

”اے بادشاہ شہزادے! جسے تم جادو کہہ رہے ہو یہ جادو نہیں ہے بلکہ میرے خدائے واحد کا کرم ہے جو ہم دونوں پر ہوا۔ جادو تمہارے شاہی جادوگر کے پاس تھا جس کو میں نے شکست دے دی۔ میرے پاس اگر جادو ہوتا تو مجھے بھی شکست ہو جاتی۔ مگر میرے پاس جادو نہیں ہے۔ جادو میرے مذہب میں حرام ہے۔“

شہزادے نے پوچھا۔

”تمہارا مذہب کونسا ہے؟“

”اے شہزادے میں ایک خدا کی پوجا کرتا ہوں۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔“

شہزادے کی والدہ نے کہا

”ہم اپنے دیوتاؤں کو ہی اپنا خدا مانتے ہیں۔ ہم تمہارے خدا کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ لیکن تم ایک بہت بڑے جادوگر ہو۔ اور ہم تمہیں اپنے دربار کا سب سے بڑا شاہی جادوگر بناتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ عہدہ قبول ہے؟“

شہزادے نے کہا -
 ”ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے دربار میں شاہی
 جادوگر کا عہدہ قبول کرو۔“
 ”مجھے منظور ہے۔“

شہزادہ عنبر سے بے حد متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُس
 نے اُسی وقت عنبر کے شاہی جادوگر بننے کا اعلان کر دیا
 اس اعلان کو سُن کر پرانا شاہی جادوگر جل بھس کر خاک
 ہو گیا۔ وہ انتہائی غصے کے عالم میں اپنے شاگردوں
 کے ساتھ دربار سے باہر نکل گیا۔ شہزادے نے عنبر
 کو شاہی جادوگر کا لباس عطا کیا اور اپنے ہاتھ سے
 اُس کے ماتھے پر زعفران چھڑکا۔ یہ اس بات کا
 اشارہ تھا کہ آج سے عنبر موہنجو داڑو کی حکومت کا سرکاری
 جادوگر ہے۔

عنبر کے رہنے کے لیے سب نے بڑی عبادت گاہ
 کے پہلو میں ایک بارہ دری عطا کر دی گئی۔ اس
 بارہ دری کے ارد گرد ایک خوبصورت باغ تھا جس
 کے تالاب میں ایک آبشار گر رہی تھی۔ عاتکہ کو ملکہ
 نے اپنے پاس بلا لیا اور کہا -
 ”تمہیں بہت جلد تمہارے ماں باپ کے حوالے

کر دیا جائے گا۔ اب تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔
 تم شاہی حفاظت میں ہو۔
 عاتکہ نے سر کو ادب سے جھکا کر ملکہ کا شکریہ ادا
 کیا اور عنبر کو خدا حافظ کہہ کر شاہی حرم کی طرف
 چل دی۔ عنبر بھی اپنی عبادت گاہ والی بارہ دری میں
 آ گیا۔ شاہی جادوگر کی حیثیت سے اُس کا کام صرف
 اتنا تھا کہ اگر کبھی کسی دوسرے ملک کا کوئی جادوگر
 موہنجو داڑو آ کر مقابلے کی دعوت دے تو وہ حکومت
 کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرے اور اُسے شکست
 دے کر موہنجو داڑو کی حکومت کا نام ادنیٰ رکھے۔ عنبر
 نے یہ عہدہ صرف اس لئے قبول کر لیا تھا کہ وہ
 موہنجو داڑو میں رہنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اُس دور
 میں سوائے اس شہر کے اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا۔
 جو ترقی یافتہ ہو۔ صرف وہاں سے کافی فاصلے پر ہڑپہ
 ایک ایسا شہر تھا جو تہذیب و ترقی میں موہنجو داڑو کا
 مقابلہ کرتا تھا۔ عنبر نے سن رکھا تھا کہ ہڑپہ میں لوگ
 بھینس اور بیل کے ساتھ ساتھ سانپوں کی بھی پوجا
 کرتے ہیں۔ تھائیس بھی اُسی شہر کی رہنے والی تھی۔
 عنبر کو تھائیس کا خیال آیا تو وہ سوچنے لگا کہ جاتے

وہ عورت بے چاری کہاں ہوگی ؟ ڈاکوؤں کے اغوا کرنے کے بعد سے عبیر نے اُس کی کوئی بھی خبر نہیں سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ضرور مصر یا شام کے بازار میں ایک کینز کی طرح کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دی گئی ہوگی اور اب وہ کسی گھر میں نوکرانی بن کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوگی۔ اُس نے دیوی سے کئی بار اُس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی مگر اُس نے ہر بار اُسے یہی بتایا کہ تھائیس کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ عبیر بڑا حیران ہوتا کہ وہ اُس وقت سے لے کر اب تک کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہوگی؟ اب ذرا تھائیس کا بھی حال سنو!

یہ تو آپ سگر معلوم ہی ہے کہ تھائیس سیاہ فام نے شہزادے کے چنگل سے بھاگ کر مصر سے ملک سندھ کی طرف آنے والے قافلے میں مردانہ لباس پہن کر العارف عرب تاجر کی حیثیت سے سفر کر رہی تھی اور ایک شامی نام کا عرب تاجر راستے میں اُس کا دوست بن گیا تھا۔ اُس تاجر کو بالکل علم نہیں تھا کہ جس عرب سوداگر کو وہ آدمی

سمجھ رہا ہے وہ حقیقت میں ایک عورت ہے۔ اُدھر سیاہ نام
شہزادے نے اپنے خاص سپاہیوں کو تھائیس کی تلاش میں
روانہ کر دیا تھا۔

تھائیس کا قافلہ اپنے اصولوں کے مطابق دن کو دھوپ
اور گرمی میں زیادہ دیر آرام کرتا اور رات کو سفر شروع
کر دیتا۔ جبکہ سیاہ نام شہزادے کے سپاہی قافلے تک
جلد سے جلد پہنچنے کی غرض سے دن رات گھوڑوں پر
سفر کر رہے تھے۔ وہ صرف کسی وقت ٹھوڑی دیر کے
لئے آرام کر لیتے اور گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلا کر تازہ
دم کر لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تو وہ قافلے کے
قریب قریب آن پہنچے۔ اس وقت وہ تھائیس کے
قافلے سے ایک دن کی مسافت پر سفر کر رہے تھے
اور تھائیس کا قافلہ ایک نخلستان میں آرام کر رہا تھا۔
قافلے والوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور کھاتے پیتے
میں مصروف تھے۔

شامی تاجر انٹ کی گردن آگ پر بھون رہا تھا۔
تھائیس بھی مردانہ لباس میں اُس کے قریب بیٹھی
کچھوروں کا حلوہ تیار کر رہی تھی۔ شامی تاجر نے کہا
اُلعاف! یاد تم تو بالکل عورتوں کی طرح حلوہ تیار

کر رہے ہو۔ ایسے لگتا ہے جیسے تم عورتوں کے درمیان
کافی عرصہ رہے ہو۔

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں شامی کو پتہ تو نہیں چل
گیا کہ وہ عورت ہے؟ لیکن نہیں اُسے تو صرف شک
ہی ہوا تھا۔ تھائیس نے کہا۔

”میرا بچپن اپنی خالادوں کے ساتھ بسر ہوا ہے۔

میرا باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔“

”سب ہی میں بھی حیران تھا کہ میرا دوست العارف
کبھی کبھی عورتوں کی طرح کیوں حرکتیں کرنے لگتا ہے۔“
تھائیس نے مردوں کی طرح قبضہ لگا کر شامی کے
کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

”دوست! میں تو پورا اور پکا مرد ہوں۔ بھلا مرد

بھی کبھی عورت ہو سکتا ہے!“

”کبھی نہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔“ لو اب یہ

بھنا ہوا ادنٹ کھاؤ۔“

”شکریہ!“

تھائیس نے ادنٹ کی گردن کا ایک بڑا سا ٹکڑا
ٹوڑا اور اُسے وحشی مردوں کی طرح کھانے لگی۔ اس
سے پہلے اُس سے کبھی اس طرح گوشت نہیں

کھایا تھا مگر اب وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی۔ گوشت کو مردوں کی طرح چباتے ہوئے اس کے جگر سے بہت جلد درد کرنے لگے۔ مگر وہ اپنے آپ کو مرد ظاہر کرنے کے لیے منہ ہلاتی گئی۔ شامی تاجر بھی اس کے ساتھ ہی کھا رہا تھا۔ اس نے حلوے کا ایک نوالہ لیتے ہوئے کہا۔

”دوست! آؤ ذرا پنخبہ آزماتی کریں۔ دیکھیں ہم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔ ذرا ورزش بھی ہو جائے گی۔“
تھائیس کی تو جان ہی نکل گئی۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی شامی تاجر سے طاقتور نہیں تھی۔ ہوسکتا تھا کہ وہ تھائیس کی کلاتیاں دیکھ کر اندازہ لگا لے کہ یہ تو عورت ہے۔ تھائیس نے بہت انکار کیا مگر شامی اپنی منہ پر اڑا رہا۔ آخر اس نے آگے بڑھ کر تھائیس کا پنخبہ اپنے پنخبے میں تمام لیا اور زور آزمائی کرنے لگا۔ تھائیس بیچاری آخر عورت تھی۔ اس کی پیچ نکل گئی۔ شامی بڑا حیران ہوا کہ مرد ہو کر وہ ذرا سا دباؤ بھی برداشت نہیں کر رہا۔ اس نے زور سے جھٹکا دے کر تھائیس کو زمین پر گرا لیا۔ تھائیس کی زمین پر گرتے ہی پگڑی کھل گئی اور لمبے لمبے بے

بال بھرنے لگے۔ شامی کی آنکھیں کھل کی کھل رہ گئیں۔
 "اؤ کیا — کیا تم عورت ہو؟"

تھاقیس نے جھٹ اٹھ کر پگڑی بال سمیٹ کر سر پر رکھی اور شامی کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
 "خاموش!"

شامی تاجر خاموش ہو گیا۔ وہ پہلے ہی بڑا جبران تھا۔
 تھاقیس نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اسے
 سرگوشی میں چپ رہنے کو کہا تو وہ اور بھی خوف زدہ
 سا ہو گیا۔ اس نے چپکے سے آگ کے پاس بیٹھ کر
 حلوسے کی رکابی اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"العارف! تم عورت ہو۔ تم مرد کے بھیس میں سفر
 کیوں کر رہے ہو؟ یقین کرو اب جبکہ تہا! بھید
 مجھ پر کھل گیا ہے یہ بھید میرے سینے میں محفوظ ہے گا"
 تھاقیس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم سچ کہتے ہو شامی؟"

"ہاں۔ میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر تمہیں سچ کہتا ہوں۔
 میں کسی سے ذکر نہ کر رہا ہوں۔ لیکن مجھ پر اس
 لاذ سے پردہ ضرور اٹھاؤ کہ تم اس قافلے میں مردانہ بھیس بدل
 کر سفر کیوں کر رہی ہو؟"

تھائیں نے پہلے تو سوچا کہ وہ شامی پر اصل حقیقت واضح نہ کرے۔ اُسے ہرگز نہ بتائے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ مگر پھر اُس نے سوچا کہ جانے راستے میں کس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں اور اُسے شامی کی مدد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اُسے تمام حالات سے باخبر کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے الف سے لے کر یے تک شامی تاجر کو ساری کہانی بیان کر دی۔ شامی تاجر بڑے غور سے مختصر کی کہانی سنتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو شامی نے کہا۔

”تمہاری داستان بڑی درد ناک ہے تھائیں! مگر تم گھبراد نہیں۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا اور تمہیں حفاظت سے ہڑپہ تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا کر آؤں گا۔“

”میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہ کروں گی شامی۔“
شامی کچھ دیر سوچ کر بولا۔

”ایسا کبھی ہر نہیں سکتا کہ سیاہ فام کانے شہزادے نے اپنے سپاہی تمہاری تلاش میں روانہ نہ کئے ہوں۔ وہ

ایک بیس ہزار دیال میں خریدی ہوئی کینز کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے سپاہی ضرور تمہاری تلاش میں آ رہے ہوں گے۔
تھائیس نے گھبرا کر کہا۔

”اگر ایسا ہو گیا تو بڑی بھیبانک بات ہوگی۔ میری ساری محنت خاک میں مل جائے گی اور پھر تو میں مرتے دم تک اپنے ماں باپ کی صورت نہ دیکھ سکوں گی؟“
”سیاہ فام کاٹا تمہیں دوبارہ گرفتار کرنے کے بعد تم پر بے پناہ ظلم کھائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی ایسی چار دیواری میں بند کر کے رکھے جہاں تم سورج کی روشنی بھی نہ دیکھ سکو۔“

تھائیس خوف سے زرد ہو گئی۔ شامی نے اس کی پریشاں حالت دیکھ کر اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ بالکل نہ گھبرائے۔ حالات کیسے بھی ہوئے وہ اس کی ہر طرح سے مدد کرے گا۔ اگر سیاہ فام کاٹنے کے سپاہی آ بھی گئے تو وہ اسے چھپانے کی کوشش کرے گا۔ تھائیس مطمئن ہو گئی مگر دل میں اسے یہی دھڑکا لگا رہا کہ اگر سیاہ فام کاٹنے کے سپاہی اس کی تلاش میں آ گئے تو اس کو ضرور گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

آخر جس کا اُسے ڈر تھا وہ ہو کر رہا۔
 قافلہ صبح سے نخلستان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔
 دھوپ ڈھلنے لگی تو قافلے میں کوچ کی تیاریاں شروع
 ہو گئیں۔ ابھی اونٹوں پر مال کی گھڑیاں لادھی جا رہی
 تھیں کہ دور سے گرد اڑتی نظر آئی۔ قافلہ کے سردار نے
 آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کر کے اُس طرف دیکھا اور
 اپنے ساتھی سے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے کوئی سوار آ رہے ہیں۔ ہمیں اُن کا
 انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے مصر سے کوئی ضروری پیام
 لے کر آ رہے ہوں۔“

گھوڑوں کی گرد اڑتی شامی تاجر اور تھائیں نے بھی
 دیکھ لی تھی۔ تھائیں پریشان ہو گئی۔ اُس نے شامی سے کہا
 ”میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ سیاہ فام شہزادے
 کے سپاہی ہیں۔ وہ ارگ یہاں پہنچ گئے تو تلاشی لینے
 کے بعد مجھے نہ در پکڑ لیں گے۔ اب کیا ہوگا؟“
 شامی نے دور گھوڑ سواروں کی اڑتی گرد کو
 دیکھتے ہوئے کہا۔

”فکر نہ کرو۔ اس کا ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں۔“
 شامی تاجر اکیدم پھوٹا ہو گیا۔ اُس نے نخلستان میں

چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر تھائیں سے کہا۔
 ”میرے ساتھ آؤ۔“

تھائیں شامی کے پیچھے پیچھے چلی پڑی۔ انہیں ادھر جاتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ کیونکہ سب لوگوں کی توجہ ان گھوڑ سواروں کی طرف تھی جن کے لوہے کے خود دھوپ میں چمکتے صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ قافلہ سردار نے کہا۔

”یہ تو کسی شہزادے کی فوج کے مسپاسی ہیں۔ ضرور کوئی خاص پیغام لے کر آ رہے ہیں۔“
 وہ آگے بڑھ کر گھوڑ سواروں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر شامی تاجر تھائیں کو ساتھ لے کر کھجوروں کے ایک بھنڈ کے نیچے آ گیا۔ یہاں ریت کے ایک چھوٹے سے ٹیلے میں ایک جگہ چھوٹا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی جنگل جانور سیرا کرتا ہے۔ شامی نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوراخ کو چوڑا کیا۔ اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی اس میں بیٹھ کر چھپ سکے۔ شامی نے تھائیں سے کہا۔
 ”فورا اس کھوہ میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ دیر مت کرو۔“
 تھائیں پہلے ہی گہرائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک

پل بھی ضائع نہ کیا اور کھوہ کے اندر گھس کر سمٹ سٹا کر
 بیٹھ گئی۔ شامی نے کچھ پتھر اور جھاڑیاں لے کر اس
 کھوہ کے منہ کے آگے کر دیں۔ کوئی آدمی اب اندازہ
 نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی عدت چھپی ہوئی
 ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر شامی فوراً واپس قافلے
 والوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں گھوڑے سوار
 سیاہی وہاں پہنچ گئے۔ سپہ سالار نے گھوڑے سے
 اتر کر قافلہ سرفار سے ہاتھ ملا لیا۔ قافلہ سرفار سیاہ فام
 شہزادے کا دوست تھا۔ سپہ سالار نے اسے بتایا کہ
 شہزادے کی چھیتی کینز بھاگ گئی ہے اور اس قافلے
 کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔

قافلہ سرفار نے کہا۔

”میں خود آپ کے ساتھ قافلے کی تلاشی لیتا ہوں۔
 یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے بہترین دوست کی کینز
 بھاگ کر میرے قافلے میں سفر کر رہی ہو اور مجھے
 علم ہی نہ ہو۔“

قافلے کی عام تلاشی شروع ہو گئی۔ اُس زمانے میں
 مسافروں کے نام رجسٹروں میں کہاں درج کئے جاتے تھے
 بس بننے لوگ، عورتیں اور بچے وہاں موجود تھے اُن میں

سے ایک ایک کو گھوڑ گھوڑ کر دیکھا جانے لگا۔ مگر وہاں
تھائیں موجود ہوتی تو کوئی اسے تلاش کرتا۔ سپہ سالار اور
قافلہ سردار نے بار بار عورتوں کو غور سے دیکھا مگر تھائیں
وہاں نہیں تھیں۔ سپہ سالار نے کہا۔

”آخر وہ کہاں چلی گئی؟“

قافلہ سردار نے کہا کہ ہو سکتا ہے وہ مصر ہی ہی
کسی جگہ چھپی بیٹھی ہو۔ کیونکہ اگر وہ اُس کے قافلے میں
سفر کر رہی ہوتی تو ضرور پکڑی جاتی۔

”آپ کے سامنے ہم نے قافلے کے سارے کے
سارے مسافروں کو گھوڑ گھوڑ کر دیکھ لیا ہے۔ تمام
عورتوں کو دیکھا بھالا ہے۔ میرے دست شہزادے کو
جا کر میرا پیغام دیں کہ اگر اُن کی کیتز میرے قافلے
میں ہوتی تو میں اسے خود زنجیروں میں جکڑ کر اُن کے
پاس لاتا۔“

سپاہی ناامید ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ انہیں یقین
ہو گیا تھا کہ کیتز قافلے کے ساتھ سفر نہیں کر رہی کیونکہ
اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انہوں نے قافلے میں
شریک تمام کے تمام مسافروں کو دو دو چار چار مرتبہ
غور سے دیکھا تھا۔ اُن کے جاتے ہی شامی نے اطمینان

کا سانس لیا۔ قافلے میں دوبارہ کوچ کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور ہر طرف ایک افزائش سی مچ گئی۔ شامی موقع نکال کر گھجوروں کے جھنڈ کی طرف کھسک گیا۔ اُس نے ریت کے ٹیلے پر سے پتھر اور جھاڑیاں بٹا کر تھائیس سے کہا کہ وہ باہر نکل آئے خطرہ ٹل گیا ہے۔ تھائیس بے چاری فہری ہو کر بیٹھی رہی تھی اور اُس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ یہ خوش خبری سن کر اُس نے سکھ کا سانس لیا اور فوراً جانور کے کھود میں سے باہر نکل آئی۔

جادوگر کا انتقام

تھائیس کو ایک بار پھر نئی زندگی اور آزادی نصیب ہوئی تھی۔

اس نے شامی تاجر کا بے حد شکریہ ادا کیا جس کی وقت پر امداد نے تھائیس کو ظالموں کی گرفت سے نجات دلائی تھی۔ شامی تاجر اسے ساتھ لے کر قافلے میں آگیا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ تھائیس تلاشی کے وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ گھوڑ سواروں کے جاتے ہی قافلہ کوچ کے لیے تیار ہو گیا اور دوبارہ ملک سندھ کی جانب اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ملک سندھ وہاں سے صرف ایک رات کے فاصلے پر تھا اور اس قافلے کو ساری رات سفر کرنے کے بعد صبح موہنجو داڑد کی سرحدوں میں داخل ہو جانا تھا تھائیس نے خدائے عظیم کا شکر ادا کیا کہ وہ آخری بار مصیبت سے بچ سکی۔ اب اسے اپنے گھر تک سفر بہت آسان اور بے خطر نظر آ رہا تھا۔ آسمان پر ستارے نکل آئے تھے۔ صحرائیں

ان ستاروں کی جلی جلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور قافلہ بڑے سکون کے ساتھ صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ اونٹوں کے بچلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں بڑی سرلی لگ رہی تھیں۔ شامی اور تھائیس ایک ہی اونٹ پر بیٹھے تھے۔ شامی نے کہا۔

”دیوتاؤں کی جہرانی سے ہم صبح موہنجو داڑو پہنچ جائیں گے۔ میں نے اگرچہ موہنجو داڑو رکنا تھا مگر میں تمہیں ہڑپہ پھوڑ کر آؤں گا۔“

تھائیس نے کہا۔
”تم اتنی تکلیف نہ کرنا شامی! میں کسی دوسرے قافلے میں شریک ہو کر خود بخود اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔ مجھے موہنجو داڑو کی کاررواں سرائے سے ہڑپہ جانے والا قافلہ آسانی سے مل جائے گا۔“

شامی کہنے لگا۔
”تھائیس جب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ تم مرد ہو میں تمہاری طرف سے بے فکر تھا مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا کر آؤں۔ اس لئے کہ ایک تو تم عورت ہو دوسرے دشمنی تلاش میں ہے۔“

تھاقیں نے کہا

”دشمن اب واپس جا چکا ہے شامی ! وہ اب
میری تلاش میں نکلے بھی تو مجھے نہیں پا سکتا۔“

”ایسا نہ کہو تھاقیں ! دشمن کی طرف سے کبھی غافل
نہیں ہونا چاہیے۔ وہ لوگ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں
جو دشمن کی طرف سے غافل اور بے پروا ہو جاتے ہیں۔
دشمن کو ہمیشہ اپنے سر پر سمجھنا چاہیے۔“

”لیکن مرنجو داڑو پنہنے کے بعد مجھے کیا خطرہ ہو سکتا
ہے شامی ؟ وہاں سے تو میرا وطن شروع ہو جاتا ہے۔“
”ٹھیک سے تھاقیں۔ مگر دشمن بعض اوقات تمکاری کے
ساتھ وطن میں بھی آکر وار کر جاتا ہے۔ اس لئے میں تمہارے
ساتھ تمہارے شہر تک چلوں گا اور جب تمہیں تمہارے
ماں باپ کے حوالے کر دوں گا تو اطمینان سے واپس
آ جاؤں گا۔“

”جیسے تمہاری مرضی“

اور قائد اپنے سفر پر چلتا چلا گیا۔

ادھر مرنجو داڑو کے دربار کے پرانے شاہی جادوگر کو اپنی
شکست اور دربار کے عہدے کے چھین جانے کا بے حد
صدمہ تھا اور وہ انتقام کی آگ میں بھڑک رہا تھا۔ وہ

کسی نہ کسی طرح نئے شاہی جادوگر عنبر سے اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ پرانا جادوگر بڑا مکار تھا۔ اُسے آنا معلوم تھا کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے عنبر کو زیر نہیں کر سکتا۔ وہ جادو کے معاملے میں شاہی جادوگر سے بہت آگے تھا۔ اس کا ثبوت اُسے شاہی دربار میں مل چکا تھا۔ وہ کسی اور طریقے سے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے چھوٹے جادوگر شاگردوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے ایک ہی مشورہ دیا کہ عنبر کی بجائے اُس لڑکی کو اغوا کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ جس نے دیوتاؤں کی تڑپیں کی تھی اور جس کی جان بچانے کے لیے عنبر نے بڑے مندر کے پجاری کو مار ڈالا تھا۔ شاہی جادوگر نے کچھ سوچ کر کہا۔

”بھیک ہے۔ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ اُس لڑکی عاتکہ کو اغوا کر کے اس پرانے مندر کے تہ خانے میں بند کر دیا جائے۔ پھر دیکھتے ہیں عنبر اُسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرتا ہے؟ اگر وہ اُسے حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہ ضرور بادشاہ کی نظروں میں گر جائے گا۔ اگر وہ ایک بار بادشاہ کی نظروں میں

گم ہو گیا تو وہ ضرور اُسے دربار سے باہر نکال دے گا اور
میں یہی چاہتا ہوں کہ بادشاہ میرے دشمن کو ذلیل
کر کے دربار سے نکال باہر کرے تاکہ میں ایک بار
پھر اپنے پرانے عہدے کو حاصل کر سکوں۔“

”دیوتا سامری ہماری مدد کرے۔“

جادوگر کے شاگردوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔
یہ لوگ ایک پرانے مندر کے تہ خانے میں بیٹھے
تھے۔ جادوگر نے ایک جلتی ہوئی مشعل اٹھا کر اپنے ہاتھ
میں لی اور اُسے ہوا میں دائرے کی شکل میں گھمانا شروع
کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ادبھی آواز میں کوئی منتر
پڑھتا جاتا تھا۔ سارے شاگرد اُس کا ساتھ دے
رہے تھے۔ ایک بار اُس نے زور سے کچھ پڑھا اور
آگ کا دائرہ چھوٹا کر دیا۔ پھر وہ ایک طرف ہٹ کر
کھڑا ہو گیا۔ مشعل اپنے آپ ہوا میں دائرے کی شکل
میں گردش کر رہی تھی۔

”اے جادوگروں کے بادشاہ سامری! تیرا ایک غلام
مصیبت میں ہے اُسے ایک نیروان جادوگر نے شکست
دی ہے۔ اُس کی مدد کر اُس کی مدد کو آ۔“
فضا میں ایک دھماکا سا ہوا اور پھر سامری جادوگر کی

آواز سنائی دی ۔
 ”اے یزدگرد جادوگر ! ہمیں تمہاری شکست کا علم ہو گیا ہے ۔ ہم تیری شکست سے بڑے اداس ہیں ۔ مگر ہم اُس نوجوان سے انتقام لیں گے ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔“

جادوگر نے کہا ۔
 ”میں عاتکہ لڑکی کو اغوا کر کے یہاں قید کر دینا چاہتا ہوں سامری ! تاکہ اُس کا الزام شاہی جادوگر عنبزر پر لگے اور بادشاہ اسے ذلیل کر کے دربار سے نکال دے ۔“
 ”تمہارا یہ خیال ہمیں پسند آیا ہے ۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ تو عنبزر سے بھی ہماری شکست کا بدلہ لے ۔“
 ”اے سامری ! وہ بڑا جادوگر ہے ۔ اُس پر میرا جادو نہیں چلتا ۔“

سامری نے چیخ مار کر کہا ۔
 ”بکواس بند کر اے یزدگرد ! میرے مقابلے میں کوئی جادوگر نہیں آ سکتا ۔ میری توہین کر کے تو نے میرے عذاب کو دعوت دی ہے ۔“

شاہی جادوگر سجدے میں گر پڑا ۔
 ”مجھے معاف کر دے اے عظیم جادوگر سامری ! میں

اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تمہارا جادو دنیا میں سب جادوؤں سے اُونچا ہے۔ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تو مجھے حکم دے۔ میں اُس پر عمل کروں گا۔

سامری نے کہا

”تو سن! عاتکہ لڑکی کو اغوا کر کے لانے کا ارادہ بھی ملتوی کر دے اور شاہی جادوگر عنبر پر میری طرف سے میرے حکم سے اپنا جادو پھونک۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جل کر بھسک ہو جائے گا۔“

”جو حکم عظیم سامری! مجھے اپنا منتر عطا کرو تاکہ وہ میں عنبر پر پھونک سکوں۔“

”سن اے بزدل گر نور سے سن! آج شام جب شاہی جادوگر دربار میں آئے تو تو بھی وہاں پہنچ کر اسے مقابلے کی دعوت دے اور پھر میری طرف سے دیا ہوا منتر پھونک۔ وہ تمہارے زیر ہو جائے گا اور تمہارے منتر سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔“

”اور حنا مرزا اگر ایسا نہ ہوا تو کیا ہوگا؟“

سامری نے چیخ ماری۔

”بکواس بند کر اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر۔“

”جو حکم عظیم سامری؟“

سامری نے جادوگر کو منتر بتا دیا اور خود غائب ہو گیا۔ جادوگر تہقہہ لگا کر اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوا۔
 ”اب وہ عنبر نوجوان میرے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔
 اُس کی موت اُسے آوازیں دے رہی ہے۔ آج شام
 وہ سارے درباریوں اور بادشاہ شہزادہ کے سامنے جل
 بھن کر خاک ہو جائے گا۔“

”دیوتا آپ کے ساتھ ہوں۔“

تمام شاگردوں نے جادوگر کی تعریف میں نعرہ لگایا
 اور دُعا مانگی۔ جادوگر نے اپنے سارے بدن پر جادو کی راکھ
 مل کر گلے میں سفید کھوپڑیوں کا بار پہنا۔ لمبا سیاہ چوڑھ
 پہن کر سر پر ہڈیوں کا تاج رکھا اور ہاتھ میں گدھے کے
 جیڑے کی ہڈی پکڑ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ شاہی
 محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج وہ ہر مقام پر عنبر کو شکست
 دے کر دوبار میں اپنا پرانا عہدہ دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔
 اُسے سب سے بڑے جادوگر سامری کی تائید حاصل ہو
 گئی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب
 ہوگا۔ شاگردوں کا جلوس اُس کے پیچھے پیچھے منتر لپٹا ہوا
 چلا جا رہا تھا۔ یہ جلوس اسی طرح شاہی محل میں داخل ہو
 گیا۔ بادشاہ شہزادے کو خبر کر دی گئی کہ پرانا شاہی جادوگر

ایک بار پھر نئے شاہی جادوگر عنبر کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہے۔ شہزادے نے اجازت دے دی۔ عنبر ٹاپریشانی ہوا کہ یہ کیسی مصیبت اُس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ مگر اب وہ سوائے مقابلہ کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسی میں اُس کی عزت اور وقار تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں دیوی بلیطیس کی بہن کو خیال کیا اور کہا کہ ایک بار پھر اُس کی عزت کا سوال پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس کی مدد کرے۔

دیوی بلیطیس کی بہن سامنے نمودار ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

”دیکھو عنبر! ایک بات تم ہمیشہ یاد رکھنا۔ میری طاقت محدود ہے اس کی بھی ایک حد ہے۔ میں ایک حد تک تمہاری مدد کر سکتی ہوں اُس کے آگے میں بھی مجبور ہوں اور کسی دوسری طاقت کا مقام شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے میں تمہاری ہر بار مدد کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن میں کسی وقت مجبور ہو جاتی ہوں۔ اس لیے تم مجھے سوچ سمجھ کر آواز دیا کرو“ عنبر نے کہا۔

”میں تمہاری مجبوریں سے باخبر ہوں دیوی۔ مگر میں بھی مجبور ہو کر تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ یہ لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے

پڑ گئے ہیں یہ جادوگر خاص طور پر مجھ سے اپنا خونی انتقام لینا چاہتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہ اس دفعہ اپنے دیوتا سامری سے نئی طاقت اور کوئی نیا منتر لے کر آیا ہے۔
دیوی ہنس دی۔

”وہ کسی سے بھی طاقت لے کر آ جائے مگر تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تمہیں طاقتوں کی تائید حاصل ہے۔ سب سے پہلی طاقت تو تمہارے پاس یہی ہے کہ تم دہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو اور تمہیں موت نہیں آ سکتی۔ اس سے بڑا جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس جادوگر کو بھی ایک نہ ایک دن مر جانا ہے۔“

”یہ میں جانتا ہوں۔ مگر اس کے جادو کا دارہ تو مجھ پر ہو سکتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو مجھے انسان سے کوئی جانور بنا سکتا ہے۔ وہ مجھے ہلاک تو نہیں کر سکتا مگر مجھے گدھا بنا سکتا ہے۔“

دیوی زور سے ہنس پڑی۔
”فکر نہ کرو۔ اس دفعہ میں اُسے کوئی جانور بنا دوں گی۔ اتنا کہہ کر دیوی غائب ہو گئی۔

غیر دہزار میں اکیلا رہ گیا۔ شہزادہ بھی وہاں پر مہرود تھا۔ مگر ابھی تک اُس کی ہمدردیاں بھی پرانے جادوگر کے

ساتھ بھینیں۔ دگر نہ وہ اُسے کہہ سکتا تھا کہ ہم یہ مقابلہ کر دانے کے لیے ہرگز راضی نہیں۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا اور پرانے جادوگر کو ایک بار پھر موقع دیا کہ وہ عنبر کو اگر شکست دے سکتا ہے تو شکست دے۔ عنبر کو اس بات کا بھی بڑا احساس تھا اور وہ شہزادے کو بھی ذرا تھوڑا سا جھٹکا دینا چاہتا تھا۔

جادوگر اپنے شاگردوں کے جھگڑے میں بڑی شان سے کھڑا تھا۔ شہزادے نے اشارہ کیا۔ بڑا پردہست بھی وہاں نمودار ہو کر پرانے جادوگر کی طرف قاری کر رہا تھا۔ درہل میونسپل ڈاکٹر کے دربار کے سبھی لوگ عنبر کے دلی طور پر خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ اُس کو کسی نہ کسی طرح شکست ہو اور پرانا جادوگر پھر سے دربار میں شاہی مقام حاصل کر لے۔ اس وقت بھی اُن سب کی ہمدردیاں پرانے جادوگر کے ساتھ بھینیں ادا وہ اُس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کے غائب ہو جانے کے بعد عنبر اپنے آپ کو تنہا عسوس کر رہا تھا۔ اُسے اُن سب پر اور خاص طور پر جادوگر پر غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کم بخت خواہ مخواہ اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

مانکہ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ پرانے جادوگر نے ایک بار

پھر دربار میں شاہی جادوگر غنبر کو لٹکارا ہے۔ وہ بھی شاہی
 حرم سرا کی بیگیوں اور کینزوں کے ساتھ بارہ دری کے
 جھروکوں میں موجود تھی۔ جادوگر نے آگے بڑھ کر شہزادے
 کے پائے تخت کو بوسہ دیا اور اپنے سر پر سے ہڈیوں
 کا تاج اتار کر اُس کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے
 اُسے ایک ہاتھ سے چھوا۔ جادوگر نے زور سے کوئی منتر
 پڑھا اور پھر آسمان کی طرف پھونک ماری۔ آسمان پر کوئی
 بادل نہیں تھے مگر بڑے زور سے بادل گرج اٹھے۔ جادوگر
 غنبر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے پوچھا۔
 ”اے نوجوان جادوگر! کیا تم پہلے وار کر دگے یا میں کروں؟“
 غنبر نے کہا۔

”جس طرح تم چاہو کر سکتے ہو۔“
 ”میرا خیال ہے تم چھوٹے ہو تم پہلے وار کرو۔“
 غنبر کہنے لگا۔

”نہیں تم بزرگ ہو اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور پرانے
 ہو۔ اس لیے تم پہلے وار کرو۔“
 ”غنبر! تم میرا وار نہ سہہ سکو گے۔ اس لیے پہلے
 وار کر لو۔ کہیں تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے
 کہ تم نے وار نہیں کیا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ پہلے تم وار کر لو۔ تاکہ تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم وار نہیں کر سکے۔“
شہزادے نے کہا۔

”پہلے تم وار کرو۔ یزدگر! عنبر کی اگر یہی خواہش ہے تو پھر ٹھیک ہے۔“

عنبر کو شہزادے کی اس بات پر دلی صدمہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی یہی چاہتا کہ عنبر وار کرنے کی حسرت دل میں لے کر مر جائے اور پرانا جادوگر پھر سے شاہی حاصل کرے۔ شہزادے کے بارے میں عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کم از کم اس کو وہ اپنے صحیح مقام سے ضرور باخبر کر دے گا۔ شہزادے کا حکم پا کر پرانا جادوگر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے جیب سے چاندی کا ایک گول پھل نکال کر ہاتھ میں لیا۔ اسے چوم کر ہوا میں چھوڑ دیا۔ عنبر اس کی ہر حرکت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ کیونکہ کوئی جادوگر تو نہیں تھا۔ مگر وہ اس کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے تھا۔

گول پھل ہوا میں لوگوں کے سروں کے اوپر چکر لگانے لگا۔ دس بارہ چکر لگانے کے بعد وہ عنبر کے سر کے

اوپر آکر بٹھ گیا اور گردش کرنے لگا۔ گردش کرتے
 کرتے اُسے ایک دم آگ لگ گئی اور اُس کے شعلے
 عنبر کے سر کی طرف نیچے کو آنے لگے۔ عنبر بھی ہوشیار
 ہو چکا تھا۔ شعلے بڑے ہوتے گئے اور آگ کی آتش
 کی طرح عنبر کے چاروں طرف گرنے لگے۔ پھر اس آگ
 کی چوڑی آتش نے عنبر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ درباریوں
 میں ایک شور مچا اٹھا۔ سب کو یقین ہو چکا تھا کہ
 عنبر اُس آگ میں جل کر خاک ہو گیا ہوگا۔
 جادوگر نے ہاتھ کا اشارہ کیا آگ سمٹ کر چھلے میں
 غائب ہو گئی۔ سارے درباری یہ دیکھ کر جبرت زدہ ہو
 گئے کہ عنبر کو آگ نے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ ویسے کا ویسا
 اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اُس نے زندہ بچ جانے کی سب
 سے زیادہ خوشی عاتکہ کو ہوئی جو دوسری بیگمات اور کنیزوں
 کے ساتھ بارہ درسی میں بیٹھی جادوگری کا یہ مقابلہ دیکھ رہی
 تھی۔ جادوگر طیش میں آگیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ایک بار
 پھر عنبر پر وار کیا۔ اس دنہ اُس نے اپنے جھولے میں
 سے میت کی ایک مٹھی لے کر اس پر کچھ منتر پھونکا اور
 اُسے چیخ مار کر زور سے زمین پر پھینک دیا۔ ریت کے
 ذروں کا زمین پر گرنا تھا کہ وہاں ایک پندرہ فٹ لمبا

خوفناک جیڑے والا شیر دھاڑتا ہوا نمودار ہو گیا۔ جادوگر نے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے حکم دیا کہ وہ عنبر کو چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ شیر نے عنبر کو کھون آلود آنکھوں سے دیکھا اور دل دہلا مہینے والی دھاڑ مار کر عنبر کی طرف لپکا۔ وہ خدا جانے کب سے بھوکا تھا اور عنبر کی تنکا بوٹی کر دینا چاہتا تھا۔ عنبر کے دل میں ایک پل کے لیے بھی خوف پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔

شیر چیلانگ لگا کر عنبر پر جھپٹا۔ سارے کے سارے درباری سانس روک کر رہ گئے۔ بے چاری عاتکہ کا تو دم خشک ہو گیا۔ اُس نے خوف کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک دم شیر کو جیسے ایک دم شیر کو جیسے ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ عنبر کے سامنے منہ کے بل گر پڑا اور زمین پر گرتے ہی پتھر بن گیا۔ درباریوں کی زبان سے اودھ کا حکم بے اختیار نکل گیا۔ شیر زمین پر پتھر کا بت بنا پڑا تھا اور اُس میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ عنبر نے جادوگر سے کہا۔

”بزدل! اپنی حسرت دل سے نکال لے۔ کہیں بعد میں تمہیں یہ خیال نہ رہے کہ تم اپنا بہترین ہتھیار مجھ پر استعمال

نہ کر سکے۔ میں تمہیں اپنے دل سے اجازت دیتا ہوں کہ ایک اور وار کر کے دیکھ لے۔ بے شک اپنے سب سے بڑے دیوتا سامری کو بھی بلالے اور اُسے کہہ کہ وہ بھی تمہارے ساتھ مل کر مجھ پر حملہ کرے۔

یہ جادوگر اور اُس کے دیوتا سامری کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اُس نے غصے میں آ کر ایک نذر دہ چنچ ماری اور اپنے دیوتا سامری کو پکار کر کہا کہ اے سامری! اپنی توہین کا خود آ کر بدلہ لے۔ اچانک سامری سامنے آگیا وہ صرف جادوگر کو نظر آ سکتا تھا۔ اُس نے جادوگر سے کہا کہ پرے بہت جاؤ۔ میں اس نوجوان کو بے عزتی کا مزہ چکھاؤں گا۔ تم دیکھتے رہو۔

سامری نے عنبر کی طرف زور سے پھونک ماری۔ ایک زوردار آندھی چلی جس سے زمین پر عرڑے ہوتے پتھر اکھاڑ دیتے مگر عنبر اپنی جگہ پر بکھڑا رہا سامری نے زمین پر زور سے اپنا پاؤں مارا۔ ایک خوفناک گڑغڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ آیا۔ سارا محل بل گیا مگر عنبر فوراً شس سے بس نہ ہوا۔ اب سامری نے اپنا ترشول عنبر کی طرف پھینکا۔ ترشول پہاڑ کا ایک بہت بڑا تودہ بن کر عنبر کے سر سے بڑے زور کے ساتھ ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ پتھر کے تودے

کے ٹکڑے اڑ گئے مگر عنبر کے سر کو ذرا سی بھی پھوٹ نہ گئی۔
عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا

”اے سامری! اپنا اور حربہ آزما کر دیکھ لے۔“
سامری جبران رہ گیا کہ وہ اس کو کس طرح دیکھ رہا
تھا۔ کیونکہ اس کو تو سوائے یزدگر جادوگر کے اور کوئی نہیں
دیکھ سکتا تھا۔ اس نے غصے میں آکر عنبر پر تھوک دیا۔
ایسا لگا جیسے کھولتے ہوئے لادے کی آبشار آتش فشاں
پہاڑ سے اچھلی اور عنبر کی طرف بڑھنے لگی۔ مگر قریب جا کر وہ
بھاپ بن کر اڑ گئی۔ عنبر نے کہا

”لو اے سامری اب میرا وار سہو۔“
اتنا کہہ کر اس نے جوا میں ہاتھ بلند کیا۔ آسمان پر بجلی چمکی۔
بادل زور سے گرجے۔ بجلی دھماکے کے ساتھ سامری کے اوپر
ری اور وہ چیختا چلاتا غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی
جادوگر بھی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ عنبر نے اس کی طرف اشارہ
کے کہا۔

”اے یزدگر تو نے اپنے دیوتا کا انجام دیکھ لیا۔ اب
انجام بھی دیکھ — ہوشیار ہو جا۔“

عنبر کے ہاتھ کے اشارے سے اچانک وہاں ایک ہاتھی
دار ہو گیا۔ جس نے زور سے چینگاڑ ماری اور آگے

بڑھ کر جادوگر کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر گھمانا شروع کر دیا۔
 جادوگر کی چیخیں نکل گئیں۔ اس نے دہائی دینی شروع
 کر دی کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے آزاد کر دو۔ اب میں کبھی
 تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔ غبر نے کہا۔

”اے جادوگر! ہیں اگر چاہوں تو تمہیں ہمیشہ کے لیے بندر
 بنا سکتا ہوں۔ اس ہاتھی کو اشارہ کروں تو یہ تمہیں اپنے
 پاؤں تلے کچل کر ہلاک کر سکتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کر دینگا
 میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔
 ”کونسی شرط ہے؟ دیوتاؤں کے لیے مجھے جلدی بتاؤ۔
 میں قبول کرتا ہوں۔“

”شرط اگر شہزادہ سلامت قبول کریں تو بیان کروں گا
 ورنہ تم ساری زندگی اس ہاتھی کی سونڈ میں بسر کر دو گے۔
 نہ ہاتھی یہاں سے بے گما اور نہ تمہیں موت آنے گی۔“
 ”شہزادہ سلامت! میری حالت پر رحم کھائیں اور غبر
 کی شرط کو قبول کر لیں۔“
 غبر نے کہا

”میری شرط یہ ہے کہ نیزدگر جادوگر موہنجو داڑو شہر سے
 باہر نکل جائے گا۔ وہ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔
 اور کبھی شہر کے اندر داخل نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اس

شرط کی خلاف ورزی کی تو پھر میں اُسے ہمیشہ کے لیے
سرخ خوار ہاتھی کے حوالے کر دوں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟
جادوگر نے وا دیا مچاتے ہوئے کہا
”ہاں ! مجھے منظور ہے۔“

اصل میں وہ ہاتھی کی سونڈ میں بے حد اذیت میں مبتلا
تھا۔ ہاتھی اپنی سونڈ میں اُسے کستا چلا جا رہا تھا اور
قریب تھا کہ اُس کا دم گھٹ جائے۔ عنبر نے ہاتھی کو
اشارہ کیا۔ ہاتھی نے جادوگر کو زمین پر اتار دیا اور عنبر
کو سونڈ اٹھا کر سلام کرتا ہوا غائب ہو گیا۔ جادوگر کی
جان میں جان آئی۔ عنبر نے کہا۔

”شہزادہ سلامت جادوگر یزدگر کو حکم دیجئے کہ وہ اس
شہر سے باہر نکل جائے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔“
شہزادہ بھی اب عنبر کا قائل ہو گیا تھا اور اُس پر
یہ مانہ کھل چکا تھا کہ پرانے جادوگر کے مقابلے میں عنبر
بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اُس نے پرانے جادوگر کو حکم
دیا کہ اپنی شرط قبول کرنے کے مطابق وہ مہنجر دارو شہر
سے ایک میل کے فاصلے پر جلا وطن ہو جائے اور پھر کبھی
شہر کا رخ نہ کرے۔ جادوگر بیچ دتا بکھا رہا تھا مگر
سوائے پھنکاریں مانتے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے شہزادے کے آگے جھک کر وعدہ کیا کہ وہ پھر
 کبھی شہر کا رخ نہیں کرے گا اور عنبر کو قبر بھری نظرِ دل
 سے دیکھتا اپنے شاگردوں کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔

پاکستانی ادبیات
 ڈاٹ کام

پراسرار تعاقب

صبح کے وقت قافلہ موہنجو داڑد شہر میں داخل ہو گیا۔
 تھائیس اور شامی ایک ہی کارواں سراتے ہیں۔ تھائیس
 شامی نے تھائیس کو مردانہ بھلیں ترک کر دینے سے منع
 کیا اور کہا کہ وہ ابھی جب تک اپنے گھر نہیں پہنچ
 لیتی مردوں کے لباس میں ہی سفر کرے۔ سارا دن تھائیس
 اور شامی موہنجو داڑد کے بازاروں اور گلی کوچوں کی سیر
 کرتے رہے۔ شامی یہ دیکھ کر بڑا متاثر ہوا کہ موہنجو داڑد
 میں تمام گلیاں اور بازار پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے
 اور ہر مکان سے گندے پانی کے نکاس کا بہترین انتظام
 کیا گیا تھا۔ بعض محلوں میں گہرے کنوئیں کھدے ہوئے
 تھے جہاں اونٹوں کے ذریعے چمڑے کے بڑے بڑے
 برکوں میں ٹھنڈا پانی مکالا جا رہا تھا۔ دکانوں میں کھاتے
 پینے کا سامان اس قدر زیادہ تھا کہ اس سے پہلے شامی
 نے مشرق کے کسی شہر میں نہیں دیکھا تھا۔
 ہرچوک میں سوداگر ریشم کے تھان - غالیچے اور مٹی کے

برتنوں کا ڈھیر لگائے آوازیں لگا رہے تھے۔ لوگ سفید
 اُچلے لباس میں خوش حال اور خوش پوش نظر آ رہے تھے۔
 مشرق کے کسی شہر میں شامی نے غریب لوگوں کو اتنا
 خوش حال اور خوش لباس نہیں دیکھا تھا۔ ہٹیاد خانے
 میں کڑی کے رنگدار تخت پر بیٹھ کر شامی اور تھائیس
 نے جو کی موٹی روٹی ادٹ کے گوشت کے شوربے
 میں ڈبو کر کھائی۔ دریائے سندھ کی مچھلی بھی بھون کر ساتھ
 رکھ دی گئی۔ شامی نے اتنا لذیذ کھانا نہ بابل میں کھایا تھا
 نہ مصر میں۔ ہاں موریہ میں اُس نے دریا کنارے
 بیٹھ کر اُس نے تازہ مچھنی ہوئی مچھلی کے جو کباب کھائے
 تھے وہ ساری عمر اُسے یاد رہ گئے تھے۔ بازار میں بڑی
 مدق تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ مہجودا ارد شامی
 نے قریب قریب ہر ملک کے آدمی کو چلتے پھرتے دیکھا۔
 ان میں چینی بھی تھے۔ مصری۔ شامی۔ سوڈانی، بابل اور سوری
 بھی تھے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ مہجودا ارد شہر
 ہر لحاظ سے ترقی کر رہا ہے۔ وگرنہ کسی دوسرے ملک
 کے لوگوں کو وہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان
 لوگوں کی چال ڈھال اور چلیے سے صاف معلوم ہو رہا
 تھا کہ وہ مسافر نہیں ہیں بلکہ وہاں کے باشندے ہیں

اور وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہوتے ہیں
ایک آدمی اُن کے پاس ہی تخت پر آکر بیٹھ گیا اور
روٹ کھانے لگا۔ تھائیں تو اپنے دھیان میں لگن کھانا کھا
رہی تھی اُس نے غور نہ کیا۔ مگر شامی نے محسوس کیا
کہ وہ آدمی تھائیں کو کھانا کھاتے ہوئے بڑے غور سے
گھور رہا تھا۔ شامی ہوشیار ہو گیا۔ شامی سے اُس آدمی
کی آنکھیں چار ہوئیں تو اُس نے جلدی سے سُرخ بدل یا
اور یوں کھانا کھانے لگا جیسے بے غر بیٹھا ہو۔ اب وہاں
زیادہ دیر رہنا شامی نے گوارا نہ کیا۔ اُس نے بھٹیاری خانے
کے ملک کوتاہی کے چند سکے دیئے اور تھائیں کو
ساتھ لے کر مردوں کا پرانا اور شاہی قبرستان دیکھنے چل
پڑا۔ یہ قبرستان شہر سے باہر ایک بلند ٹیلے کے دامن
میں واقع تھا۔ یہاں قدیم بادشاہوں کی قبریں تھیں جن پر
نیلے رنگ کے گنبد بنے تھے۔ قبرستان کے شروع میں محزنی
طرز کا سُرخ پتھر کا ایک دروازہ تھا جس کے اوپر سیاہ
پتھر کا بہت بڑے بیل کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ مونیجر داڑو
میں دوسرے جانوروں کے علاوہ بیل کی پُربا بھی ہوتی
تھی۔ تھائیں کو شامی نے بالکل نہ بتایا کہ ایک آدمی وہاں
اُس کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس خیال سے تھائیں

گھبرا جائے گی۔

وہ قبرستان میں گھوم پھر کر مختلف دور میں مونیجو ڈاڑو پر حکومت کرنے والے بادشاہوں کے ردغتی نیلے رنگ کے مزار دیکھ رہے تھے کہ شامی نے اُس پر اسرار شخص کو ایک دفنہ پھر دیکھا۔ وہ ایک مزار کی دیوار کے ساتھ لگا تھا جس اور شامی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ شامی کی نظریں اُس سے چارہ ہوئیں تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب شامی نے سوچا کہ وہاں سے فوراً واپسی کا روالہ سرائے چلنا چاہیے۔ مگر وہ اُس پر اسرار آدمی کی آنکھیں بچا کر واپس جانا چاہتا تھا۔ اس خیال سے وہ پیچھا نہ کر سکے اور اُسے اُن کی رہائش گاہ کا علم نہ ہو سکے۔ وہ تھائیں کو لیے قبرستان میں دیر تک چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ تھائیں تھک گئی اور اُس نے کہا۔

”شامی بھائی! میرے خیل میں اب ہمیں واپس چلنا چاہیے میں سیر کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔“
شامی نے کہا۔

”میں ذرا ان قبروں کو ایک نظر اور دیکھتا چاہتا ہوں۔“
شامی نے محسوس کیا تھا کہ پر اسرار آدمی ذرا فاصلے پر اُن کا برابر تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اُس سے پرچھ بھی نہیں

سکتا تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کس لیے کر رہا ہے۔ وہ شخص
کیونکہ بظاہر دُور دُور بے نیازہ پھر رہا تھا۔ اور شامی کے
پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کر رہا ہے۔
اچانک قبرستان میں لوگ ادھر ادھر ٹہنا شروع ہو گئے
اور ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ معلوم ہوا کہ موہنجو داڑو کا
شہزادہ اپنے باپ داداؤں کی قبروں پر دعا پڑھنے آرہا ہے
شامی نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تھائیس کے
ہاتھ کو زور سے کھینچتے ہوئے ایک طرف کر لیا اور کہا۔
"جلدی واپس چلو۔"

"شامی بھائی! اتنی زور سے میرا ہاتھ نہ کھینچو۔"
"تھائیس! جلدی کرو۔ یہاں سے فوراً نکل چلو۔"
تھائیس شامی کا منہ ہی ٹکٹی رہ گئی کہ یہ اُسے اچانک
اتنی جلدی کیوں پڑ گئی ہے۔ جب وہ قبرستان سے
باہر آئے تو انہیں ایک جگہ پہ بیل گاڑی کی سواری مل
گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ شامی نے گاڑی دلے کو
کچھ سکے دے کر کہا۔

"کارواں سرائے لے چلو۔ مگر جلدی جلدی۔"
گاڑی والے نے بیلوں کو ساٹنا مارا اور انہیں تیز
بھگانا شروع کر دیا۔ کارواں سرائے پہنچ کر شامی جلدی

تھائیں کو اندر لے گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے
اطمینان کا سانس لیا۔ تھائیں نے پوچھا۔

”تم اتنی جلدی میں کیوں تھے شامی؟“

شامی نے اُسے بتایا کہ ایک پُر اسرار آدمی برابر اُن کا
پیچھا کر رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اُس کی آنکھ بچا کر
اسے وہاں تک لایا ہے۔ اب تو تھائیں بڑی گہرائی تک
بدقسمتی قدم قدم پر اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

”مگر یہ پُر اسرار آدمی کون ہو سکتا ہے شامی؟“

”میرے خیال میں سوائے سیاہ فام شہزادے کے اور
کس کا آدمی ہو سکتا ہے۔“

”ربِ عظیم کے لیے ایسا نہ کہو۔ وہ کینہ خدا جانے کب
میرا پیچھا چھوڑے گا؟“

”تھائیں تم خود ہی غور کرو۔ وہ سوائے اس کے
اور کس کا آدمی ہو سکتا ہے۔ اُس نے تو ہر بڑے شہر میں
اپنے جاسوس تمہاری تلاش میں روانہ کر رکھے ہوں گے۔“

”پھر اب کیا ہوگا؟ کیا ہم یہاں سے بھاگ چلیں؟“

”اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُسے خبر نہیں ہو سکی کہ

ہم اس کا رونا سرائے میں اترے ہوئے ہیں۔“
”وہ کیسے؟“

”ہم اُس کی آنکھوں میں دھول چھڑناک کر یہاں آئے ہیں۔ وہ تو ہمیں قبرستان میں کہیں تلاش کر رہا ہوگا۔ اسی لئے تو میں تمہارا ہاتھ گھسیٹ کا کھینچ رہا تھا۔“ اور اگر اُسے معلوم ہو گیا ہو کہ ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے اس کے باقی بساتی بھی اس کے ساتھ ہی اس شہر میں اترے ہوئے ہوں۔“

”تو اترے ہوں پھر۔ ہم کیا کریں۔ ہم بھی مرد ہیں۔ یعنی میرا مطلب ہے میں بھی مرد ہوں۔ اُن کا مقابلہ کروں گا۔ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ تمہیں حفاظت کے ساتھ تمہارے ماں باپ کے گھر پہنچا کر دم لوں گا۔ اگر یہ لوگ مزاحمت کریں گے تو میں ان میں سے ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر دوں گا۔“

تھائیس نے پریشان ہو کر کہا۔

”شامی بھائی! تم اکیلے ان کمینوں کا کیسے مقابلہ کر سکو گے؟“

شامی نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

”میں نے مصر اردو شام کے بڑے بڑے جنگجوؤں کے ہاتھ سے تلوار چلانا سیکھی ہے۔ وہ کہتے بھی ہوں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

”اچھا چلو میں مانے لیتی ہوں۔ اب رات ہو رہی ہے۔“

آرام کر دے۔

شامی نے کھڑکی کے پاس رکھا ہوا دیا گل کر دیا اور اپنے غالیچے پر چادر اوڑھ کر گہری نیند سو گیا۔ تھائیں کو مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اسے یہ دہم ہو گیا تھا کہ سیاہ نام شہزادے کا جاسوس اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں میچاڑ میچاڑ کر کھڑکی کی دیکھ رہی تھی جس میں لوبے کی موٹی سلاخیں لگی تھی۔ باہر نیلا آسمان اور اس پر چمکتے ہوئے ستارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کی ہلکی ہلکی نورانی روشنی کو کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔

دیکھا اکی ایک آدمی کا چہرہ کھڑکی کے پاس آ کر اندر بچھنے لگا۔ تھائیں کے منہ سے چیخ نکلی گئی۔ وہ چہرہ پلک پلک چمکتے میں غائب ہو گیا۔ شامی کی جاگ کھل گئی۔ اس نے پوچھا۔
"کیا یہ تم نے چیخ ماری تھی؟"

"ہاں شامی؟ وہ۔۔۔ وہ پراسرار آدمی کھڑکی کی سلاخوں میں سے اندر گھس رہا تھا۔"

شامی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں لی اور کھڑکی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تھائیں اسے آواز دی ہی دیتی رہ گئی مگر وہ باہر نکل کر چابوٹ طرف اس شخص کو

تلاش کرنے لگا۔ جس نے شام ہی سے اُن دونوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ اُس کا کام ہی تمام کر دینا چاہتا تھا۔

لیکن باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر طرف آج سے دو ہزار سال پہلے کی پرسکون گہری خاموشی غاری تھی۔ دیوار کے ساتھ دو گدھے بندھے تھے۔ شامی داپس کو مٹھڑی میں آ گیا۔ تھائیں نے اُسے کہا کہ وہ باہر جانے کا خطرہ مول نہ لے۔ جانے وہ لوگ کتنی تعداد میں کہاں کہاں چھپے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم منہ اندھیرے میں سے نکل چلیں۔ شامی نے کہا ”اکیلے ہم ہڑپہ تک کیسے سفر کریں گے؟“ تھائیں بولی ”شامی بھائی، ہڑپہ یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا پانی اور خشک بو ساتھ کر لیں تو کسی قافلے کا انتظار کتنے بغیر اکیلے ہی سفر کر سکتے ہیں۔“

شامی سوچ میں پڑ گیا۔ تھائیں کا خیال درست تھا۔ اگر انہوں نے قافلے کے چلنے کا انتظار کیا تو وہ پُر اسرار آدمی مزدور قافلے کے ساتھ اُن کا تعاقب کرے گا۔ اس لئے بہتر یہی تھا کہ وہ منہ اندھیرے کارواں سرائے سے نکل کھڑے ہوں۔ وہ پُر اسرار جاسوس اس خیال سے جا چکا ہوگا کہ صبح داپس آکر اُن کی منتقلی و حرکت کی دوبارہ نگرانی شروع

کر دے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے وہ اس خیال سے مطمئن ہوگا کہ شامی اور تھائیں رات کو کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔
 شامی نے جاسوس کی اس بے خبری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اس نے تھائیں کو تیار ہونے کے لیے کہا۔

”میرا خیال ہے پھر ہمیں ابھی یہاں سے کوچ کر دینا چاہیئے“
 ”مگر ابھی تو آدھی رات بھی نہیں گزری“

”ٹھیک ہے تھائیں۔ ہم جتنی جلدی اندھیرے اندھیرے میں یہاں سے نکل چلیں ہمارے لیے مناسب ہوگا۔ تم خشک جو تھیلے میں بھرو میں چھالوں میں پانی ڈالتا ہوں۔ مگر بڑے آرام کے ساتھ۔ کارواں سرائے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔“

تھائیں نے کھڑکی کے آگے موٹا پردہ ڈال دیا اور بغیر دیا روشن کتے شامی کی ہدایت کے مطابق جلدی جلدی تھیلے میں خشک جو بھر نے لگی۔ ادھر شامی نے چمڑے کی چھالوں میں پانی بھر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ پہلے شامی نے آگے جا کر اطمینان کر لیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے تھائیں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اس طرف

و بے پادوں چل پڑا جہاں ارٹڈ کے درختوں تلے ان کا
 اونٹ بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ شامی نے اونٹ کی رسی کھول
 کر بڑی محبت کے ساتھ اُس کے گھٹنوں کو تھپتھپایا۔ اونٹ
 ایکدم چوکس ہو گیا۔ شامی نے پہلے تھائیس کو اونٹ پر سوار
 کر دیا اور پھر خود سوار ہو کر اونٹ کی جہاد کھینچی۔ اونٹ اٹھ
 کر کھڑا ہو گیا۔ اور شامی کے اشارے پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا
 کارواں ہمارے کی محدود جے باہر نکل آیا۔

باہر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درختوں میں سے ہوتا
 ہوا ایک راستہ شہر سے باہر ریت کے صحرا کی طرف جا رہا
 تھا۔ شامی نے اونٹ کو اسی راستے پر ڈال دیا۔ کوئی گھنٹہ
 بھر وہ خاموشی سے اونٹ پر سفر کرتے رہے۔ انہوں نے
 اونٹ کی رفتار تیز کر دی تھی۔ جنب انہیں نو بخوداؤ شہر
 کے آثار دکھائی دینے بند ہو گئے اور وہ کافی دور نکل آئے
 تو شامی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

”اب ہم خطرے کی دنیا سے باہر نکل آئے ہیں۔“

”رجت عظیم تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“

”لیکن ہمیں دشمن کی طرف سے غافل نہیں رہنا ہوگا۔ ہو
 سکتا ہے وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔“

اب تو ایسا نہ کہو شامی بھڑکی ”میرا تو یہ سن کر ہی

دل دھک دھک کرنے لگا ہے۔
 وہ تو ٹھیک ہے مگر جب تک میں تمہیں تمہارے ماں
 باپ کے گھر نہیں پہنچا دیتا۔ میرے دل کو پورا المیہ نصیب
 نہیں ہوگا۔

”اگر ہم صحرا میں اسی طرح سفر کرتے رہے تو کل شام
 ہونے سے پہلے پہلے ہڑپہ پہنچ جائیں گے۔“
 رات بھر شامی اور تھنائیں اونٹ پر سوار ہڑپہ کی جانب
 سفر کرتے رہے۔ انہوں نے راستے میں کسی جگہ پر بھی آرام
 نہ کیا۔ سفر کرتے کرتے دن نکل آیا اور صحرا میں کہیں کہیں
 کھجور اور ارزہ کے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ دھوپ میں
 گرمی کی شدت بڑھ گئی۔ ایک جگہ ٹھک کر وہ دونوں اونٹ
 سے اتر کر بیٹھ گئے اور آرام کرنے لگے۔ قریب ہی ایک
 چھوٹا سا صحرائی چشمہ بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اس چشمے پر
 ہاتھ دھویا۔ پانی پیا۔ اونٹ کو بھی پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام
 کرنے کے بعد وہ تازہ دم ہو گئے اور ایک بار پھر سفر
 پر روانہ ہو گئے۔

سارا دن وہ چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتے رہے۔ شام
 ہونے سے پہلے پہلے ہری بھری کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا
 جو اس بات کی علامت تھی کہ شہر ہڑپہ قریب آ رہا ہے۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ ہڑپہ کے دُور سے آثار
نظر آنے لگے۔ تھائیس کا چہرہ خوشی سے دکنے لگا۔
”میرا شہر آ رہا ہے۔ میرے ماں باپ مجھ سے مل کر کس قدر
خوش ہوں گے۔ انہیں اُمید نہیں۔ ہوگی کہ میں اُن کے
پاس زندہ واپس آ جاؤں گی۔“

”تمہیں وطن پہنچنا مبارک ہو تھائیس۔“

شامی بھی بہت خوش تھا کہ جس کام کا اُس نے بیڑا
اٹھایا تھا وہ پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے
وہ ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس اپنے شہر کی گلی گلی
سے واقف تھی۔ ہڑپہ شہر کو بھی شامی نے مہنچو داڑو کی طرح
خوش حال اور بارونق دیکھا۔ وہاں کی تہذیب اور مہنچو داڑو
کی تہذیب میں اسے کوئی فرق نظر نہ آیا۔ تھائیس مختلف
بازاروں سے ہوتی ہوئی ایک حویلی کے باہر جا کر رُک گئی۔
یہ حویلی تھائیس کے باپ کی ملکیت تھی۔ وہ شامی کو اپنے
ساتھ لے کر اندر داخل ہوئی۔ اُس کو اتنی فرمت ہی
نہیں ملی تھی کہ راستے میں اپنا مردانہ لباس تبدیل کر سکتی۔
اُس کے ماں باپ نے دو اجنبی نوجوانوں کو اپنے مکان
میں گھستے دیکھا تو غصے سے پوچھا۔

”تم لوگ کون ہو جو اس طرح حویلی میں گھسے چلے

آ رہے ہو؟

تھائیس نے فوراً اپنی پگڑی اتار دی۔ اُس کے ماں باپ نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا اور اُس سے لپٹ گئے۔ بیٹی اور ماں باپ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ تھائیس نے شامی کا تعارف کروایا اور بھکا کہ اس شخص نے سارے سفر میں اُس کی حفاظت کی تھی۔ پھر اُس نے اپنی ساری کہانی سنائی۔ ماں باپ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ انہیں اُن کی گم شدہ بیٹی ایک عرصے کے بعد مل گئی تھی۔ شامی دو روز تھائیس کے گھر میں رہا۔ تیسرے روز اُس نے اجازت لی اور واپس موہنجو دالہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس وقت وہ حویلی سے نکل کر بازاروں میں سے گزر رہا تھا۔ ٹھیک اُس وقت وہی پراسرار آدمی جو کہ سیاہ نام شہزادے کا جلموس تھا۔ حویلی کے باہر ایک طرف چھپ کر بکھڑا تھا اور تھائیس کو حویلی کی ڈیوڑھی میں خوشی خوشی باتیں کرتا دیکھ رہا تھا۔ پراسرار جاسوس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی اور وہ پچکے سے دہان سے نہٹ گیا۔ اُس نے معلوم کر لیا تھا کہ سیاہ نام شہزادے کی کنیز کہاں رہتی ہے اور یہی معلوم کرنے کے لیے مصر کے وحشی سیاہ نام شہزادے نے اسے بھیجا تھا۔

ہنر پہ کاشیش ناگ

جادوگر یزدگر شکست کھانے کے بعد ویران مندر میں جا کر بیٹھ گیا۔

اکثر شاگرد اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اُس کی عبرت ناک شکست کا نظارہ کیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ ایک ناکام جادوگر ہے۔ دیوتا اُس سے ناراض ہو گئے ہیں اور اب اُس کے ساتھ رہنے کا مطلب ضائع کرنا ہے۔ پھر بھی وہ شاگرد ایسے تھے جو اپنے استاد کے بڑے دنا دار نکلے۔ انہوں نے یزدگر کا ساتھ نہ چھوڑا اور اُس کے ساتھ ہی شہر سے باہر والے ویران مندر میں آ گئے۔ جادوگر کی بھرے دربار میں شکست ہوئی تھی۔ وہ غصے کے عالم میں بیچ دتاب کھا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر غبر سے انتقام لینے کی قسم کھالی تھی۔

”دیوتا میرا اگلا جنم بندر کا کریں اگر میں غبر سے اپنی شکست کا بدلہ نہ لوں“

ایک شاگرد نے کہا -
 ”مگر آقا جادو کے زور پر تو آپ اُس سے بدلہ نہیں
 لے سکتے۔ کیونکہ دیوتا اُس کے ساتھ ہیں۔ اُس کے پاس
 ہر جادو کا تڑپ موجود ہے۔“
 یزدگر نے کہا -

”میں اُس سے کسی اور طرح بدلہ لوں گا۔“
 ”وہ کیسے آقا؟“

”میں عاتکہ کو اغوا کر کے اُس کی گردن کاٹ کر عینر کے
 پاس روانہ کر دوں گا۔ اس بقل سے اُسے بے حد تکلیف
 ہوگی اور میرا بدلہ اُتر جائے گا۔ میرے انتقام کی آگ
 ٹھنڈی ہو جائے گی۔“

”مگر آقا - عاتکہ تو شاہی حرم میں رہتی ہے اور ہم
 لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔“

”اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ میرا جادو اگر عینر
 پر نہیں چل سکتا تو عاتکہ پر تو چل سکتا ہے۔ میں اُسے
 مجبور کر دوں گا کہ وہ خود بخود چل کر میرے پاس اس
 دیوان مندر میں آ جائے۔“

”یہ تو بڑا اچھا منصوبہ ہے آقا! اگر ایسا ہو جائے
 تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“

”نیکن اس کے لیے ہم میں سے کسی کو شاہی حرم میں جا کر عاتکہ کے سر کا ایک بال لانا ہوگا۔ اُس کے سر کے بال کو حاصل کئے بغیر میرا جادو اُس پر نہیں چل سکے گا۔“

دوسرا شاگرد بولا۔

”میرے آقا! میں شاہی حرم میں جا کر عاتکہ کے سر کا بال اتار لاؤں گا۔“

”تم وہاں تک کیسے پہنچو گے؟ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو وہ ضرور تمہاری گروں قلم کر دیں گے۔“

”میں عورت کے بھیس میں جاؤں گا میرے آقا۔ بہر حال یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کسی نہ کسی طرح آپ کو عاتکہ کے سر کا بال ضرور لا کر دے دوں گا۔“

”مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم دونوں میرے ہونہار شاگرد ہو۔ میں ہمیشہ تم پر فخر کیا کروں گا۔ تم کہو تو شاہی محل کی طرف چل پڑو گے۔ اور دیوتاؤں کی قسم ضرور کامیاب واپس آؤ گے۔“

چھوٹے جادوگر نے فوراً زمانہ کپڑے پہنے۔ پھرے پر بڑھی عزت کا حکیہ بنایا اور ریشمی کپڑوں کی گھنٹری کندھے پر رکھ کر آدازیں لگاتا شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے

معلوم تھا کہ شاہی محل کے مشرقی دروازے پر کپڑا بیچنے والیاں اکثر آیا کرتی ہیں جن سے شہزادیاں اور بیگمات کپڑا خریدا کرتی ہیں۔ شاہی حرم کے مشرقی دروازے پر پہنچ کر اُس نے آواز لگائی اور انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں کئی ایک شہزادیاں وہاں آگئیں اور اپنی اپنی پسند کا کپڑا دیکھنے لگیں۔ جادوگر کو عانکہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ایک شہزادی سے پوچھ ہی لیا۔ ”اے بیٹی! کچھ دنوں میں نے اس محل میں ایک نئی لڑکی کو دیکھا تھا۔ اُس نے بہت سا ریشتی کپڑا خریدا تھا۔ آج وہ کہاں ہے؟“

ایک شہزادی نے مسکرا کر کہا۔
 ”وہ ابھی آجائے گی تم فکر نہ کرو۔ ہم بھی تمہارا ڈھیر سارا کپڑا خرید لیں گی۔ ہم تو شہزادیاں ہیں۔ وہ لڑکی تو ایک معمولی کینز ہے۔“

جادوگر نے جلدی سے کہا۔
 ”بجا فرمایا میری بچیو! مجھے تو جو کچھ بھی امید ہے وہ تو تم ہی سے ہے۔“

بھلا کینز آپ کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی ہے؟
 شہزادیاں کپڑا پسند کرنے لگیں۔ جادوگر نے بڑا انتظار

کیا کہ عاتکہ کسی طرح وہاں آن مٹکے مگر وہ نہ آئی۔ دوبارہ اُس کے بارے میں پوچھنا اُس نے مناسب نہ سمجھا۔ اُس روز جادوگر ناکام واپس آ گیا۔ اگلے روز پھر اُس نے شاہی حرم کا رخ کیا۔ اُس دفعہ وہاں عاتکہ موجود تھی۔ جادوگر بہت خوش ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا۔

”بچو! اس بار میں حلب کے کچھ آئینے اور شام کی کنگھیاں بھی لائی ہوں۔ یہ دیکھو!“

شہزادوں نے حلب کے آئینے اور کنگھیاں خرید لیں۔ جادوگر نے ایک کنگھی ہاتھوں میں لے کر عاتکہ سے کہا۔

”ادھر آؤ بیٹی! میں خود تمہارے بالوں میں کنگھی پھیر کر دکھاتی ہوں کہ کنگھی کرنے کا اصل طریقہ کیا ہے۔“

عاتکہ کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ جادوگر کی نیت کیا ہے۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ جادوگر کے آگے ہو کر بیٹھ گئی۔ جادوگر اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کنگھی لے کر عاتکہ کے بالوں میں کرنی شروع کر دی۔ اُس وقت عاتکہ کے سر کے بالوں میں سے ایک بال توڑ کر الگ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ یہ کام بڑی آسانی سے ہو گیا۔ جادوگر نے عاتکہ کے سر کا ایک بال کنگھی میں سے نکال کر اپنے جھوٹے میں ڈال لیا اور ادھر ادھر کی دھچکار

باتیں کرنے کے بعد شہزادین سے اجازت لے کر واپس بھاگ گیا۔

وہ سیدھا شہر سے باہر پرانے دیوان مندر میں پہنچا۔ یزدگر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر اُس نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا اُسے کامیابی ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں چھوٹے جادوگر نے جھولے میں سے عاتکہ کے سر کا بال نکال کر اُسے دے دیا۔

”کیا یہ عاتکہ کے سر کا ہی ہے؟“
 ”ہاں میرے آقا۔ میں عاتکہ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ یہ اُس کے سر میں سے کنگھی کرتے ہوئے میں نے خود اتارا ہے۔“
 ”شاباش! تم نے شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔“
 اب تم دیکھو گے کہ یہ لڑکی کس طرح اپنے آپ میرے جال میں آ کر پھنس جاتی ہے۔“

یزدگر جادوگر بال جیب میں ڈال کر مندر کے تہہ خانے میں آ گیا۔ دیوتا مردک کے سب سے بڑے بت کے آگے وہ پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور اُس نے عاتکہ کا بال پتھر کی ریل پر رکھ کر اُس کے ارد گرد سرخ رنگ کا دائرہ کھینچ دیا اور دیوان سٹگا کر آنکھیں بند کر کے کالے جادو کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ بار بار منتر پڑھتے ہوئے

نوبان کے اوپر کوئی مفید سانسفون چھڑک دیتا جس کی وجہ سے سفید دھوپ کا مرغلہ سا اٹھ کر چھت کی طرف چلا جاتا۔ اُدھر مائیکہ کی بھی سُنیں۔ وہ شاہی حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بھیڑی رہیں کپڑے پر پھل کاڑھ رہی تھی کہ اچانک اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔ اُس نے پہلے تو خیال کیا کہ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر جب طبیعت بگڑتی ہی گئی تو وہ دہاں سے کوئی بہانہ کر کے اٹھی اور اپنے کمرے میں آکر پلنگ پر لیٹ گئی۔ جوں جوں یزدگر جادوگر کے منتر تیز ہو رہے تھے مائیکہ پر اُس کا اثر بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اُس کے سارے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ اُس نے اٹھ کر چاندی کی صراحی میں سے پانی پیا۔ مگر گھبراہٹ میں کوئی فرق نہ آیا۔

مائیکہ اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹپٹنے لگی۔ پھر اپنے آپ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل کر حرم کے دالان میں آ گئی۔ یہاں اس کو کسی نے نہ دیکھا۔ مائیکہ کے قدم بے اختیار حرم کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُس کے ہوش دھواں مٹ ہو چکے تھے اور وہ کسی عباد کے زیر اثر اپنے آپ چل رہی تھی۔ وہ شاہی حرم

کے دروازے سے نکل کر باہر باتا رہے ہیں آگئی۔ لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس زمانے میں بازاروں میں کبیزیں اور غلام اکثر پھرتے رہا کرتے تھے۔ تاکہ بازاروں میں سے گزرتی ہوئی شہر سے باہر آگئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی طاقت اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے اپنے ساتھ چلائے جا رہی ہے۔ وہ پرانے مندر کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

مندر میں یزدگر جادوگر کے منتروں کی آواز زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ گویا اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ تاکہ مندر میں داخل ہو چکی ہے۔ منتر پڑھتے پڑھتے اُس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا لڑکی اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ تاکہ پر جادوگر کا اثر تھا اس کا اپنا ذہن بالکل بند تھا۔ وہ تو جادوگر کے اشارے پر اور اُس کے منتروں کے زور سے چلی آ رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر جادوگر کو دیکھ رہی تھی۔ جادوگر منتر پڑھتے پڑھتے اٹھا اور تاکہ کا ہاتھ تھام کر اُسے مندر کے تہ خانے کے سب سے اندھیرے کمرے کی طرف لے گیا۔

یہاں ایک ہی مشعل دیوار میں جل رہی تھی جس کی دھندلی روشنی میں چھت کے ساتھ لکھے ہوئے جالے نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پر کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔

عائکہ جادو کے زور سے اندر آ گئی۔ اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کون اسے دہاں لے آیا ہے۔ جادوگر نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ عائکہ اپنے آپ اس پتھر پر بیٹھ گئی۔ جادوگر اٹے قدموں کو ٹھٹھری سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے کوٹھڑی کا لوہے کا دروازہ بند کر کے باہر سلاح ڈال دی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے ایک فاستحانہ قبعتہ لگایا اور ہال کمرے میں اپنے دونوں شاگردوں کے پاس آ کر بولا۔

اب اس لڑکی کو دنیا کی کوئی طاقت میرے پنجے سے آزاد نہیں کر سکتی۔ یہ میرے قبعتے میں ہے۔ عنبر اس کی تلاش میں سارا ملک چھان مارے مگر اسے اس کا نشان نہیں ملے گا۔ پہلے شاگرد نے کہا۔

”آقا! کیا آپ اس کی گردن اُتار کر محل میں بھیجیں گے۔“
 ”تو اور کیا میں نے اس کی پرہیز کرنے کے لیے اسے یہاں بلایا ہے؟“ میں اس لڑکی کی گردن اُتار کر اسے یہاں دفن کر دوں گا اور گردن ایک طشت میں ڈال کر عنبر کے حجر کی طرف روانہ کر دوں گا۔ طشت اپنے آپ اڑتا ہوا

جادو کے زور سے عنبر کے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ بس
 یہی میرا انتقام ہے جو میں اُس سے لینا چاہتا ہوں۔
 جادوگر قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔ ادھر مانگہ پر سے جادو
 کا اثر دور ہوا تو اُس نے چونک کر اپنے سر کو جھٹکا دیا
 اور یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ شاہی حرم سے کہاں آ
 گئی ہے؟ اُس نے بڑے غور سے ارد گرد دیکھا۔ وہ ایک
 دیک نزدہ کوٹھڑی میں قید تھی جس کی دیوار پر مشعل جل
 رہی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اُس نے پھت کے
 سامنے لٹکتے جالوں کو دیکھا تو اُس کی چیخ بھل گئی۔ وہ ڈر کر
 ایک طرف سمٹ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
 وہ حرم میں اپنی کینزوں کے ساتھ کڑھائی کرتے کرتے
 اس دیرانے میں کیسے پہنچ گئی۔ اُسے کچھ یاد نہیں تھا
 کہ اچانک اُس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور وہ حرم
 سے نکل کر بانادوں اور ٹکلیوں میں سے بہتی ہمئی اس
 مندر میں پہنچ گئی تھی۔ اُس نے لوہے کے دروازے
 پر زور زور سے ہاتھ مارے۔ ادھر آوازیں دیں مگر وہاں
 اُس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔
 دوسری جانب یزورگر جادوگر اپنے شاگردوں سے کہہ
 رہا تھا۔

”آج نات کے پچھلے پہر جب صبح کا تارا آسمان پر
 نکل رہا ہوگا تو اس لڑکی کی گردن کاٹ دی جائے گی۔
 میرے جادو کا تقاضا ہے کہ صبح کے وقت یہ کام کی جائے۔“
 ”جو حکم ہمارے آتا“

”اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ میں یہاں لیٹ کر ذرا آرام
 کروں۔ صبح سونے سے پہلے تمہیں جگا دوں گا۔“

جادوگر کے دونوں شاگرد دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ
 گئے۔ جادوگر بھی چبوترے پر لیٹ کر سو گیا۔ وہ منتر پڑھتے
 پڑھتے تنک گیا تھا۔ لیٹتے ہی اُسے نیند آگئی اور وہ
 خراٹے بھرتے لگا۔

عائکہ اپنی کوٹھڑی میں جاگ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔
 اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور
 ربّ عظیم سے دُعا مانگنا شروع کر دی کہ وہ اُسے اس مصیبت
 سے نجات دلائے۔ جس طرح پہلے بھی اُس نے اُسے ہر
 مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

ربّ عظیم کے حضور میں اپنے دل کے ساتھ دُعا مانگنے
 کا اثر یہ ہوا کہ ادھر عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے یوں محسوس
 ہوا جیسے عائکہ اُسے بلا رہی ہے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل
 کر شاہی حرم کی طرف آگیا اور خواجہ سرا کو کہا کہ عائکہ

سے کہے کہ عنبر اُس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ خواجہ سمرانے
 واپس آکر اطلاع دی کہ عاتکہ حرم میں کہیں بھی نہیں ہے۔
 عنبر پریشان ہو گیا۔ اس نے ملکہ سلامت سے جا کر
 بات کی۔ اُسی وقت سارے محل میں شور مچ گیا اور عاتکہ
 کی تلاش شروع ہو گئی۔ مگر عاتکہ وہاں ہوتی تو کسی کو ملتی۔
 وہ تو وہاں سے دُور شہر کے ایک اُبڑے ہوئے آسیب زندہ
 مندر کے تنہ خانے میں بیٹھی اپنی موت کا انتظار کر رہی تھی
 عنبر نے ملکہ سلامت سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے عاتکہ کو
 زبردستی کسی دشمن نے اغوا کر لیا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ وہ
 دشمن کون ہو سکتا ہے اور پھر عاتکہ سے تو کسی کی بھی دشمنی
 نہیں تھی۔ عنبر نے کہا کہ دشمنی اس کی دربار کے سارے
 پجاریوں اور جادوگروں سے تھی۔ کیونکہ اُس نے یہاں کے
 مذہب کے رسم کے مطابق اپنے مَرودہ خاندن کے ساتھ جلتے
 سے انکار کر کے اُن کے دیرتاؤں کی توہین کی تھی۔ ملکہ نے کہا۔
 ”تو تمہارا خیال ہے کہ عاتکہ کو پجاریوں نے اغوا کر لیا ہے؟“
 ”پجاریوں نے نہیں ملکہ سلامت بلکہ شکست خوردہ
 جادوگر بزرگ نے۔“

”اس کو کیا ضرورت پڑی تھی عاتکہ کو اغوا کرتے کی؟“
 ”ملکہ سلامت! وہ میرا انتقام اُس لڑکی سے لینا چاہتا ہوگا“

”یہ تمہارا دہم ہے عنبر!“

”نہیں ملکہ عالیہ! مجھے یقین ہے کہ عاتکہ کو بزدگر بنے اغوا کیا ہے۔ اور اُس کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”تر پھر اُسے کیسے برپایا جاسکتا ہے؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جادوگر کس جگہ روپوش ہو گیا ہے۔“

”ہیں اُسے تلاش کر لوں گا ملکہ سلامت! وہ اس شہر کے اردگرد ہی کہیں چھپا ہوگا۔ عاتکہ کو اغوا کر کے وہ زیادہ دُور نہیں جائے گا۔“

”تم اگر چاہو تو اپنے ساتھ سپاہی لے جاسکتے ہو۔“

”مجھے سپاہیوں کی ضرورت نہیں کہ سلامت! میں خود ہی اُس سے نمٹ لوں گا۔“

”دیوتا تمہاری حفاظت کریں عنبر! ہمیں عاتکہ کے بارے میں بڑا فکر رہے گا۔ اگر وہ مل جائے تو اُسے لے کر فوراً ہمارے پاس پہنچنے کی کوشش کرنا۔“

”جو حکم ملکہ عالیہ“

عنبر ملکہ سلامت سے اجازت، لے کر محل سے باہر نکل آیا۔ اُس نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں اُن نے جگہ جگہ کھڑے ہو کر عاتکہ کے بین کرنے کی آواز سننے کی کوشش کی مگر وہ

کامیاب نہ ہو سکا۔ عاتکہ شر کے کسی مکان میں کسی حویلی میں موجود نہیں تھی۔ تو پھر وہ کہاں چلی گئی تھی؟ کیا اُسے زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان نے اٹھا لیا تھا؟ غبر یہی سوچتے سوچتے شر سے باہر آ گیا۔ شر کے ارد گرد میدان پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ کھیت تھے اور اونچے اونچے ریت کے ٹیلے تھے۔ وہ ایک ٹیلے کے پاس آ کر ریت پر بیٹھ گیا۔ اور دل ہی دل میں غور کرنے لگا کہ عاتکہ کہاں ہو سکتی ہے؟

رات آدھی گزر چکی تھی۔ بزرگ جادوگر چبوترے پر بے سُدھ ہو کر سو رہا تھا۔ اُس کے شاگرد بھی ساق دالے کمرے میں سو رہے تھے۔ اگر کوئی ویران مندر کی چار دیواری میں جاگ رہا تھا تو وہ عاتکہ تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں دُعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپنے پر بسی سے رو رہی تھی۔ سسکیاں بھر رہی تھی۔ اچانک اُسے روتے روتے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے کوٹھڑی کے اندر لمبی سسکی بھری ہو۔ پہلے تو عاتکہ نے کوئی خیال نہ کیا اور یہی سمجھا کہ اُس نے اپنی ہی سسکی کی آواز سنی ہے۔ مگر جب دوسری مرتبہ اسی طرح لمبی سسکی کی آواز سنائی دی تو عاتکہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر سامنے

دیکھا۔ جو کچھ اُس نے دیکھا وہ اس قدر حیرت انگیز تھا کہ
 عاتکہ ہنچ مار کر پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔
 اُس کے سامنے تشعل کی روشنی میں ایک بہت بڑا
 اژدھا اور شیش ناگ کنڈل بارے بیٹھا اپنا اونٹ
 اتنا سرائٹھائے۔ لال لال بلی ایسی آنکھوں سے عاتکہ کو
 دیکھ رہا تھا۔ سسکی وراصل اُس کی پھینکار کی آواز تھی
 قریب تھا کہ عاتکہ بے ہوش ہو جائے کہ اژدھانے کہا۔
 "عاتکہ! مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔
 میں تمہاری مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں شیش ناگ
 ہوں۔ سانپوں کا سب سے بڑا دیرنا ناگ ہوں۔ مجھ سے
 تیرے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز سنی
 نہیں گئی۔ میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میں
 زمین کے پیچے سے نکل کر تمہاری مدد کرنے تمہارے پاس
 آ گیا ہوں۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟
 عاتکہ کو کچھ حوصلہ سا ہوا۔ اُس نے اپنے حواس ٹھیک
 کیے۔ اور آگے بڑھ کر بولی۔
 "اے شیش ناگ! اگر تو مجھے اس قید خانے سے باہر
 نکال دے تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی"
 شیش ناگ نے کہا۔

”بس اتنی سی بات تھی۔۔۔ کی وجہ سے تم رو رہی تھیں؟
یہ کونسی شکل بات ہے۔۔۔ آؤ میرے پیچھے پیچھے۔۔۔“
عائکہ نے کہ۔

”اے بشیش ناگ مجھے ایک جادوگر یہاں اٹھا کرنے
آیا ہے۔ اور یہ شاید باہر پہرہ سے رہا ہے یا سو رہا ہے۔
اس کا خیال رکھنا۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔“
”تم فکر مت کرو لڑکی! شیش ناگ پر کسی کا جادو نہیں
چل سکتا۔“

اژدہا نے آگے بڑھ کر لوہے کے دروازے پر زور سے
اپنی طاقتور دم ماری اور دروازہ ٹوٹ کر پرے جا گیا۔
”آؤ: برے ساتھ مظلوم لڑکی! میں تمہیں اس مندر کے
باہر چھوڑ آتا ہوں۔“

عائکہ اژدہا کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر نکلی تو جادوگر
دروازہ ٹوٹنے کی آواز سن کر بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے
چونک کر دیکھا کہ عائکہ ایک اژدہا کے ساتھ بڑھی چلی آ رہی
ہے۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے سانپ پر جادو کرنا
چاہا ہی تھا کہ اژدہا نے آگے بڑھ کر بجلی ایسی تیزی کے
ساتھ جادوگر کی گردن تک سر اپنے منہ میں لے لیا اور
جھٹکا دے کر اُسے گردن سے الگ کر دیا۔ مندر میں ایک

بھونچال سا آگیا۔ مگر اڑدھا اور عاتکہ کو کچھ نہ ہوا۔ جادوگر
 کے شاگرد بھاگتے ہوئے وہاں آئے۔ لیکن اپنے استاد کا
 عبرت ناک انجام دیکھ کر اور شیش ناگ کی چھٹکار سن
 کر واپس بھاگ گئے۔ اڑدھانے عاتکہ کو ساتھ لیا اور منہ
 سے باہر آگیا

”اے لڑکی! یہاں میری حدود ختم ہوتی ہے۔ میں کوشش
 بھی کروں تو اس سے آگے نہیں جاسکتا۔ اب تم آزاد
 ہو۔ اگر پھر کبھی تمہیں مصیبت کا سامنا ہوا تو اسی طرح
 مجھے یاد کر لینا۔“
 اتنا کہہ کر شیش ناگ غائب ہو گیا اور وہ میدان
 میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

وحشی ملکہ

رات کے اندھیرے میں عاتکہ ٹپا، کے پاس تنہا کھڑی تھی۔

وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہاں جائے کہ اچانک مندر کی کھوہ میں سے جیدگر جادوگر کے دونوں شاگرد باہر نکلے اور ایک طرف کو دوڑتے ہوئے غائب ہو گئے۔ وہ بے انتہا ڈرے ہوئے تھے اور یوں بھاگ رہے تھے جیسے اُن کے پیچھے کوئی بلا لگی ہو۔ عاتکہ خود ڈر کر سہم گئی اور اُس کے ہونٹوں سے چیخ مکل گئی۔ اُس کی چیخ کی آواز عنبر نے سُن لی جو قریب ہی ایک سنگلاخ چٹان کے سائے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ عاتکہ کو کہاں تلاش کرے۔ چیخ کی آواز سُن کر وہ بیک کر اُسی طرف آیا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ وہ ٹیلے کی آڑ سے باہر نکلا تو سامنے عاتکہ سہمی کھڑی تھی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عاتکہ بے چاری اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔

”تم یہاں کیسے آ گئیں عاتکہ؟ تم تو حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی کڑھائی کر رہی تھیں؟“
عاتکہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”مجھے کچھ معلوم نہیں میں کیسے یہاں آ گئی عنبرا میرا طبیعت اچانک بوجھل ہو گئی اور میں اپنے آپ اٹھ کر شہر کے بازاروں، گلیوں میں سے گزرتی اس دیران مندہ میں آ گئی۔“

اس کے بعد عاتکہ نے ساری کہانی عنبرا کو سنائی اور کہا۔
”شاہی جادوگر کی لاش اندر پڑی ہے۔“
عنبرا نے کہا۔

”اُس کا انجام یہی ہوتا تھا۔ اُس کی لاش کو وہیں پڑا رہنے دو۔“

”عنبرا! اگر وہ شیش ناگ میری رو کو نہ آتا تو جادوگر نے مجھے ضرور ہلاک کر دینا تھا۔“

”رَبِّ عَظِیم۔ نے تمہاری مدد کے لیے اُسے بھیج دیا تھا عاتکہ۔ مگر تم نے شیش ناگ سے پرچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور وہاں کیسے آیا ہے؟“

”اُس نے اپنے آپ ہی صرف اتنا بتایا تھا کہ میں بین کے نیچے آرام کر رہا تھا کہ تمہارے رونے کی

آواز نے مجھے بے چین کر دیا اور میں تنہا ہی مدد کے لیے آگیا۔

عنبر سوچنے لگا۔ پھر بولا

”عائکہ! یہ شیش ناگ ہڑپہ کے بڑے مندر کا دیوتا ہے۔ میں نے بلیطیس کی بہن سے سنا تھا کہ ہڑپہ کے بڑے معبد میں شیش ناگ کی پوجا ہوتی ہے اور شیش ناگ بڑا رحم دل دیوتا ہے اور وہ دکھی انسانوں کی مدد کرتا ہے۔“

”کاش! میں اُس سے اور کچھ پوچھ سکتی۔“
”تم اگر سوال بھی کرتیں تو شیش ناگ تمہیں کچھ نہ بتاتا۔“

دیرا لوگ جو انسانوں کی بھلائی کے لیے آئے ہیں نہ رازہ نہیں بتایا کرتے۔ آداب میرے ساتھ حرم میں چلا مکہ اور دوسری بیگمیں تہا، انتظار کر رہی ہیں۔
عنبر نے عائکہ کو ساتھ لے اور شاہی حرم کی طرف چل پڑا۔ شاہی حرم میں پہنچ کر مکہ سلامت نے عائکہ کو گئے سے لگا لیا۔ عائکہ نے یونہی ایک کہانی گڑ لی کہ وہ خواب میں چلنے کی عادی ہے اور کبھی کبھی خواب میں چلتی ہوتی گھر سے باہر نکل جایا کرتی ہے۔ چنانچہ آج بھی وہ

اسی طرح خواب میں چلتے ہوئے گھر سے دُور ایک جنگل میں پہنچ گئی تھی کہ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ عنبر نے اس بناوٹی فتنے کی تائید کر دی۔ ملکہ کو یقین آ گیا اور اُس نے عاتکہ کے لیے شاہی حکیم سے مشورے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ صبح اٹھ کر وہ شاہی حکیم کو خود بلوا کر اس سے بات کرے گی۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ عنبر چاہتا تھا کہ عاتکہ کو کسی طرح اُس کے گھر اُس کی ماں تک پہنچا دے، تاکہ وہ اپنے گھر میں باقی زندگی بسر کرے اور وہاں خوش رہے اب جادوگر بھی مرچکا تھا اور اُس کے ثناگرد فرار ہو گئے تھے۔ اُسے کسی دشمن سے کسی قسم کا خدارہ نہیں تھا۔ اُس نے عاتکہ سے ذکر کیا تو وہ بولی۔

”اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہوگی کہ میں اپنی پیاری ماں کے پاس چلی جاؤں۔ لیکن عنبر میری ماں یہاں سے ایک مہینے کی مسافت پر رہتی ہے۔“

”اس کی تم ہنسنے نہ کرو۔ اگر تم راضی ہو تو تمہیں ہر حالت میں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔“

”میں تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ چلو۔“

”اگر دست مل سکی تو میں چلوں گا نہیں تو تمہیں

شاہی فرج کی حفاظت میں پہنچایا جائے گا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔ میں ہر طرح سے تیار ہوں“

عنبر نے اُسی روز شہزادے سے بات کی اور اُس سے
 عاتکہ کے واپس اپنے ہاں کے پاس جانے کی اجازت
 حاصل کر لی۔ اُن ہی دنوں موہنجوداڑو میں یہ افواہ پڑی
 گردش کر رہی تھی کہ ہُن قوم کی ایک خوشخوار عورت
 عمیکا جو کہ سارے قبیلے کی سردار ہے موہنجوداڑو پر حملہ
 کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس لئے شہزادے نے عنبر
 کو عاتکہ کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی۔

”تمہارا دربار میں رہنا بہت ضروری ہے عنبر! ہم اس
 لڑکی کو حفاظت کے ساتھ اُس کے گھر پہنچا دیں گے۔ اگر
 ہمیں عمیکا کی جانب سے حملے کا شدید خطرہ نہ ہوتا تو
 ہم تمہیں خوشی سے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتے
 ”جیسے آپ کی مرضی شہزادہ سلامت! میں اسے شاہی
 فرجی دستے کی حفاظت میں پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا
 یہی میں بھی چاہتا ہوں“

بادشاہ شہزادے کے جاسوسوں نے آکر الملاح دی
 تھی کہ موہنجوداڑو کے شمال میں دامند پہاڑ کی دوسری
 جانب صحرائے گولبی میں ایک بڑی بہادر، خوشخوار اور وحشی

قوم آباد ہے جس پر عمیکا نام کی ایک وحشی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملکہ نے ارد گرد کے بے شمار شہروں کو برباد کر کے اُن پر قبضہ جما لیا ہے اور اب موہنجو داڑو پر نظریں رکھے ہوئے ہے کیونکہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ موہنجو داڑو ایک بڑا امیر اور خوش حال شہر ہے۔ بادشاہ شہزادے نے عنبر سے کہا۔

”عنبر! ہم تمہیں ایک انتہائی اہم اور راز دارانہ سفر پر روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ دیرانہ کام ہے جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کیا تم راضی ہو؟ کیونکہ اس میں جان کے چلے جانے کا بھی خطرہ ہے۔“
عنبر نے ادب سے کہا۔

”میری جان کی آپ پروا نہ کریں شہزادہ سلامت! آپ مجھے وہ کام بتائیں جو مجھے ایک فرض سمجھ کر ادا کرنا ہے۔“
شہزادہ عنبر کو اپنے ساتھ محل کے اندر کمرہ خاص میں لے گیا اور یہاں اُس نے عنبر کو بتایا کہ اُس کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی ہے کہ ہن قوم کی وحشی ملکہ عمیکا اپنے خونخوار لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو پر حملے کی تیاریاں کر رہی ہے۔

”تم فوراً صحرائے گوبی کے کنارے آباد اس قوم میں جاؤ

اور جا کر معلومات حاصل کرو کہ اُن کے لشکر کی تعداد کتنی ہے۔ اُن کے پاس اسلحہ کتنا ہے اور وہ کب حملہ کرنے والی ہے۔ مجھے جاسوسوں کی بات پر اعتبار نہیں۔

”میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو جاتا ہوں۔“
 ”رہائے کے بارے میں پوری تفصیل تمہیں میرے جاسوس مہیا کر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہاں سے اگر دن کے وقت قافلہ چلے تو چھ ماہ کے اندر وہاں پہنچ جاتا۔“

چاہے کتنے دن لگیں شہزادہ سلامت! میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو اؤں گا۔

”میں چاہتا ہوں۔ تم جتنی تیزی کے ساتھ ہو سکے یہ سفر طے کرو میں سے تمہارے لیے خاص طور پر ایسی اونٹنیوں کا بندوبست کیا ہے جو اس دفعہ فوج کے مقابلوں کی ددڑ میں ادل آتی بھٹیں۔ تمہارے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی ہوگا۔“

”میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں شہزادہ سلامت! میں اگر اکیلا ہی اس سفر پر چلوں تو بہتر ہوگا۔“

”یہ سفر بڑا دشوار گزار ہے عنبر۔ تم اسے اکیلے نہ کر سکو گے۔ ہاں البتہ فوج کا دستہ تمہیں ہن توڑ کے

علاقے میں چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔ اور اگر تم کہو گے تو کسی خاص جگہ پر تمہاری واپسی کا انتظار کرے گا۔
 ”بہتر ہے۔ کیا یہ دستہ کل سفر پر روانہ ہونے کے لیے بالکل تیار ہے شہزادہ سلامت؟“
 ”اگر تم صبح کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو وہ ایک پہر میں تیار ہو جاتے گا۔“

”میں صبح صبح منہ اندھیرے سفر پر مکمل جانا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ معاملہ نازک ہے اور وقت بہت کم ہے۔“
 ”مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب صبح عمل کے دروازہ خاص ہیں ملاقات ہوگا جہاں تمہاری محافظہ دستہ تیار کھڑا ہوگا اور ہم تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا شہزادہ سلامت!“
 ”غیر کہ خیال آیا کہ حالکہ بھی اسی علاقے یعنی کوہ دماوند کے دامن میں واقع ایک قصبے کی رہنے والی ہے کیوں نہ اسے بھی اس سفر میں ساتھ ہی لے لیا جائے؟ حالکہ کی ماں اپنی بیٹی کے اغوا کا سن کر روتی دھوتی واپس اپنے وطن چلی گئی تھی۔ اس نے شہزادے سے اس کی اجازت طلب کر لی۔ شہزادے نے اسی وقت اجازت دے دی اور کہا کہ وہ اگر چاہے تو حالکہ کو بھی اپنے ساتھ لے

جا سکتا ہے۔ عنبر نے شہزادے کو جھک کر سلام کیا اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُس نے نئی دقت عاکمہ کو بلایا اور ساری بات سمجھا دی۔ عاکمہ بڑی خوش ہوئی۔ ملکہ سلامت نے بھی عاکمہ کی خوشی کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے عنبر کے ساتھ اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے عاکمہ سے وحشی قوم کی مکہ عمیکا کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے کہا۔

"میں نے اُس ملک کا نام سُن رکھا ہے اور اپنی والدہ سے سنا ہے کہ وہ ایک انتہائی سنگدل اور خونخوار قوم کی ملک ہے۔ ہمارے قصبے سے اُس قوم کا علاقہ بہت دُور ہے۔ مگر اُن کی خونخواری کی داستانیں ہمارے بڑے بڑے بڑی تفصیل سے سنایا کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اُس قوم کے لوگ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ خیموں میں رہتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں چراگہ گزارہ کرتے ہیں اور آس پاس کے شہروں کو جب چاہے لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں اور دشمن کے سر کاٹ کر اپنے خیموں کے باہر لٹکاتے ہیں عنبر بڑے غور سے عاکمہ کی باتیں سُنتا رہا۔ اُس کے بعد اُس نے کہا۔

"تم جا کر سے تیاری شروع کر دو۔ کل صبح منہ

اندھیرے ہمیں سفر پر روانہ ہونا ہے - تمہیں دقت پر تیار ہو جانا چاہیے ۔

”ہیں بالکل تیار ہوں گی۔“

وہ چلی گئی اور عنبر نے ضروری سامان باندھ کر رکھ لیا اور مسہری پر لیٹ کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح ہونے میں صرف ایک پہر باقی تھا۔ وہ سوچتے سوچتے گزر گیا۔ جب رُو پھٹی اور آسمان کے مشرق میں صبح کا نیلا آجالا پھیلنے لگا تو عنبر نے اپنے سامان کی گھڑی غلام کے سر پر رکھی اور شاہی محل کے دروازہ خاص میں آ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ چاق و چوبند سپاہی اور ادٹنیاں سفر کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ شہزادہ بھی اُن کے پاس ہی کھڑا تھا۔ شہزادہ اس سفر کو باقی درباریوں سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں سوائے اُن کے اور کوئی وہیں تھا۔ عالمگہ ادٹنی کے ایک کچادے میں بیٹھ چکی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی شہزادہ عنبر کو ایک طرف لے گیا اور اُسے دوبارہ سفر کے منصوبے کے بارے میں تفصیل سمجھائی اور بلاز داری کی تاکید کی۔ عنبر نے اپنی طرف سے شہزادے کو پوری یقین دہانی اور تسلی کر دی۔ شہزادے نے سپاہیوں کو

اشارہ کیا۔ عین ایک برق رفتار اونٹنی پر بیٹھ گیا اور یہ چھوٹا سا قافلہ اپنے طویل اور پُر اسرار سفر پر روانہ ہو گیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُدھر بڑے شہر میں جا کر معلوم کیا جائے کہ سیاہ فام شہزادے کا خطرناک پُر اسرار جاسوس کیا کر رہا ہے ؟ اور بے گناہ تھائیں کس حال میں ہے ؟ اس بے چاری کو ہرگز ہرگز علم نہیں تھا کہ سیاہ فام کانے کا ایک جاسوس اس کا پیچھا کرتے ہوئے اُس کے گھر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ اپنے خیال میں آزاد ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر میں آزادی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر کنوئیں پر جا کر صراحیوں میں پانی بھر کر لاتی۔ پھر بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہتی اور انہیں ساتھ لے کر وادی میں گھاس چرانے لے جاتی۔ جاسوس نے اُن کی ایک ایک مصروفیت کو ذہن نشین کر لیا تھا اور اب ایک کارواں منرائے میں اپنے دو ساتھیوں کے پاس بیٹھ اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ تھائیں کو اغوا کر کے کیسے مصر پہنچایا جائے اور شہزادے سیاہ فام سے انعام و اکرام حاصل کیا جائے۔

”میرے خیال میں سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں تھائیں کو بے ہوش کر کے اونٹ کے کچادے میں ڈال

جہاں اور مصر کی طرف کوچ ہل دیا جائے۔
 "لیکن راستے میں ہوش میں آکر اگر اس نے شور مچا دیا
 تو کیا ہوگا؟"

"ہم راستے میں ہرکس آتے ہی اسے دوبارہ بے ہوش کر
 سکتے ہیں۔"

"اگر بار بار بے ہوش کرنے سے وہ مرگئی تو شہزادہ
 سیاہ فام کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے؟ وہ
 یقیناً ہماری گروہیں بھی اتار دے گا۔"

"میزبی بیہوشی کی دوائی بے ضرر ہے۔ اگر ایک ہزار
 مرتبہ بھی تھائیس کو بے ہوش کیا گیا تو اس کی صحت
 پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔"

"اگر تمہیں اپنی دوا کے بے ضرر اور غیر نقصان دہ
 ہونے پر یقین ہے تو ہم اسے بے ہوش کر کے اٹھا
 لیتے ہیں۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میزبی دوا بے ضرر ہے
 اور پھر سوائے اس کے ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار
 بھی تو نہیں ہے۔ تم اور کیسے جیتی جاگتی زندہ عورت
 کو اٹھا کر اتنی دُور دراز کے سفر پر لے جاسکتے ہو؟
 "تو پھر ہم اس منصوبے پر کب ہی عمل کرتے ہیں۔"

پل صبح جس وقت تھائیں اپنی بھیڑ بکریوں کو چشمے پر پانی پلانے آئے گی تو وہیں اسے دبوچ لیا جائے گا۔
 بالکل ٹھیک ہے۔

یہ لوگ صبح کے اغوا کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے پراسرار آدمی کے ساتھ سارا بھامان باندھ کر تیز رفتار اونٹوں پر لا دیا۔ اور اونٹوں کو لے کر ہڑپہ شہر سے باہر اس جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں تھائیں تقریباً روزانہ ہی اپنی بھیڑ بکریوں کو لے کر انہیں پانی پلانے اور گھاس پھوس چرانے آیا کرتی تھی۔ روزانہ کے مطابق تھائیں بکریوں کے روٹر کے ساتھ چھڑی ہاتھ میں لئے نمودار ہوتی۔ وہ بڑی بے فکر سے چل آ رہی تھی اور کوئی پرانا لوک گیت بھی گا رہی تھی۔ یقیناً جاسوسوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پراسرار جاسوس نے ایک چھٹے پرانے کمپڑوں والے اندھے فقیر کا بھیس بدل رکھا تھا۔ تھائیں جس وقت چشمے پر پہنچ کر رک گئی اور بھیڑ بکریوں کو باری باری پانی پلانے لگی تو یہ آدمی اندھے فقیر کے بھیس میں دہاں سے نکل کر لائٹی سے راستہ ٹوٹتا ہوا چشمے کی طرف چل پڑا۔ وہ بار بار بڑی دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔
 ”اندھے فقیر کو پانی پلا دو۔ اندھے فقیر کو پانی پلا دو۔“

نظارہ تو وہ یہ کر رہا تھا کہ وہ اندھا ہے مگر چوری چوری
وہ شب کچھ دیکھ رہا تھا اور لاکھی سے راستہ ٹٹول ٹٹول
کر وہ سیدھا اُس طرف جا رہا تھا جہاں تھائیس چشمتے
پر جانوروں کو پانی پلا رہی تھی۔ بے ہوش کرنے والی
دوائی ایک رومال میں رکھی ہوئی اُس کے جھولے میں
پڑی تھی۔ چشمتے کے قریب پہنچ کر اس نے دور سے
آواز لگائی۔

”اندھے فقیر کو پانی پلا دو بابا۔ ویٹنا تمہارا مہلا
کریں گے۔“

تھائیس نے ایک اندھے فقیر کو پانی کا سوال کرتے دیکھا
تو اُس کا نرم دل پسج گیا۔ اُس نے دور ہی سے کہا۔
”ابھی پانی لاتی ہوں بابا۔ وہیں کھڑو۔“

اندھا فقیر یہی تو چاہتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں
خوش ہو کر وہیں رُک گیا۔ تھائیس نے مٹی کے ایک پیالے
میں چشمتے کا ٹھنڈا پانی ڈالا اور خوشی خوشی اندھے فقیر
کی طرف آگئی۔ وہ یہ نیک کام کر کے دل خوش محسوس
کر رہی تھی۔ اندھا فقیر درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا
تھا اور اس نے جیب سے بے ہوشی کی دوائی میں
تڑبہ تر رومال نکال کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

تھائیں اس کے قریب آئی تو اندھے فقیر نے اُسے
دغائیں دینی شروع کر دیں۔ تھائیں نے پانی کا پیالہ
اندھے کے ہاتھوں میں دے کر کہا۔

”لو بابا پانی پی لو۔“

”جیتی رہو بیٹی۔ جیتی رہو بیٹی۔ دیتا تمہارا جلدی سے
بیاہ کر دیں۔“

تھائیں ہنس پڑی۔ اندھے فقیر نے پانی پی کر پیالہ
جہاں بوجھ کر زمین پر رکھ دیا۔ جوہنی تھائیں پیالہ اٹھانے
کے لیے جھکی بھلی ایسی تیزی کے ساتھ اندھے فقیر سے
رومال والا ہاتھ تھائیں کے ناک پر رکھ کر دوسرے ہاتھ
سے اُس کی گردن دبوچ لی۔ تھائیں مچھلی کی طرح ایک
بار تڑپتی اور پھر بے ہوش ہو کر اندھے فقیر کی بانہوں
میں گر پڑی۔ دُور اُس کے ساتھی یہ سارا منظر دیکھ رہے
تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ تھائیں بے ہوش ہو گئی
ہے تو وہ تیزی سے اونٹ لے کر آگے بڑھے۔ انہوں
نے جلدی سے بے ہوش تھائیں کو اٹھا کر کجاوے میں
ڈالا۔ خود بھی اونٹوں پر سوار ہوئے اور اُن کی باگیں
مچھلی چھوڑ دیں۔ باگیں ڈھیلی ہوتے ہی اونٹوں نے وادی
میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ تھائیں بیچارہ

کجاوے میں بے ہوش پڑی تھی۔ اور اُس کی بکریاں اور
 بھیڑیں چٹمے پر اُسے دور دور سے حمایہ کر چکا رہی
 تھیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ اُن کی مالک اُن سے دور
 ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایک بار پھر ایک ایسے خوفناک
 سفر پر روانہ ہو گئی ہے۔ جس سے انجام کا اُسے بھی
 کچھ پتہ نہیں۔

پاکستانی ادبیات
 ڈاٹ کام

مصیبت کا سفر

تھائیں کی زندگی کا بھیانک سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔

ہڑپہ شہر سے باہر نکلتے ہی جاسوسوں نے اونٹوں کی رفتار تیز کر دی اور مصر کی جانب پُر خطر اور طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر کے سفر سے بچ کر اُس راستے پر جا رہے تھے جو مونجواڈو کے پہلو سے ہو کر کران اور ایران سے ہوتا ہوا خشکی کی راہ پر فلک مصر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن گرم دھوپ میں چلتے رہے۔ اونٹ بڑے تیز رفتار تھے۔ شام کے وقت وہ تھک گئے اور ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رُک گئے۔ یہاں پہنچ کر تھائیں کو ہوش آ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اور اُسے کہاں لئے جا رہے ہیں؟ پُر اسرار آدمی نے ہنس کر کہا۔

”ہم سیاہ فام شہزادے سے تمہارا بیاہ کرنے لیے جا رہے ہیں۔“

تھائیس کانپ کر رہ گئی۔ تو گویا شامی کا خدشہ صحیح ثابت ہوا تھا۔ یہ شخص اس کا جگہ جگہ پیچھا کر رہا تھا۔ اور آخر اُسے اغوا کر لیئے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھائیس نے اس کی منت کی کہ وہ اُسے سیاہ خام شہزادے کے پاس نہ لے جائے۔ مگر وہ تینوں اس کی باتوں پر سنہتے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اُسی رات کو وہ پھر اپنے سفر پر چل پڑے۔ ساری رات اور دوسرا سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک قصبے کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے تھائیس کو دوبارہ زبردستی دوا سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔

یہ قصبہ موہنجو داڑو سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ درست راستے پر جا رہے ہیں اور اگلے روز ملک سندھ کی سرحد عبور کر کے ملک ایران میں داخل ہو جائیں گے۔ اس قصبے سے انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سندھ کی سرحدوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ دوسرے روز شام کے وقت انہوں نے ملک سندھ کی سرحد عبور کر لی اور ملک ایران میں داخل ہو گئے یہاں سے سنگلاخ پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا اور ان

کے سفر کی رفتار سست پڑ گئی۔ مگر وہ بغیر رُکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ان سنگلاخ پہاڑی میدانوں میں سفر کرتے ہوئے انہیں دس روز ہو گئے تھے۔ گیارویں روز وہ سوربہ اور بابل کے شہروں سے گزر کر ملک مصر میں داخل ہو گئے۔ اپنے ملک کی سرحدوں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور بڑی تیزی کے ساتھ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھائیس بیچاری کا سفر اور نعم کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں تھی اور کہاں آگئی؟ غنبر خدا جانے کہاں ہوگا۔ مگر نہ اُسے ہی اپنی بیٹا سانی۔ اُسے اپنا ہولناک انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔

جس وقت یہ لوگ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو شہزادہ سیاہ فام اپنی کافی آنکھ لئے خود دہاں پر موجود تھا۔ غصے سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ تھائیس کو دیکھتے ہی اُس کا پارہ ایکدم چڑھ گیا اور اُس نے اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ تھائیس بیچاری بیخ مار کر رہ گئی۔

متم نے دیکھ لیا کہ میں تمہیں زمین کے نیچے سے

بھی کھینچ کر لا سکتا ہوں بول اب کبھی یہاں سے بھاگنے کا نام لے گی ؟
 اُس نے تھائیس کو بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔
 تھائیس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”ہرگز نہیں میرے آقا ہرگز نہیں۔ اب میں یہاں سے کبھی فرار ہونے کا نام نہیں لوں گی۔ میں آپ کی خدمت کروں گی اور ساری عمر آپ کی کینز بن کر یہاں رہوں گی۔“
 سیاہ فام نے قہقہہ مار کر کہا۔

”اب آئی ہو تم سیدی راہ پر۔ چلو اندر چلو۔“
 تھائیس اٹھ کر اندر چلی گئی۔ دوسری کینزیں بھی ہوئی کھڑی تھیں۔ سیاہ فام نے کڑک کر کہا۔
 ”اگر اب کسی نے یہاں سے بھاگنے کے متعلق سوچا بھی تو اُس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔“

جب سیاہ فام چلا گیا تو دوسری کینزوں نے تھائیس کو بڑی ہمدردی سے اپنے ساتھ لیا اور حرم میں داخل ہو گئیں۔ انہوں نے اُسے گرم پانی سے نہلایا۔ اُس کی چوٹوں پر دوا لگائی۔ اُسے نئی پوشاک پہنائی اور اُس کے کمرے میں لے جا کر سلا دیا۔ وہ بے چاری درد کی ٹھوکر

کھا کر نڈھال ہو گئی تھی۔ اوپر سے سمیادھ فام کی مار پیٹ اور غویل سفر نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ وہ پینٹ پر بیٹھتے ہی رونے لگی۔ چپکے چپکے اکیلی ہی اپنی ماں کو یاد کر کے روتی رہی۔ وہ بلند آواز سے بھی نہیں رو سکتی تھی کہ کہیں کسی کو خبر ہو گئی تو اس کی کھال اُتر دالی جائے گی۔ روتے روتے اُس کے آنسو بھی خشک ہو گئے اور وہ جانے کس وقت نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

کوہ دماوند کی جانب عینر کا سفر بھی جاری تھا۔ انہیں سفر کرتے ہوئے چار مہینے ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑی برق رفتاری سے سفر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دو مہینے پہلے منزل مقصود پر پہنچ گئے تھے۔ تاکہ بھی اُن کے ساتھ تھی۔ چوتھا مہینہ ختم ہو رہا تھا کہ یہ قافلہ اُس قصبے میں پہنچ گیا۔ جہاں تاکہ کی ماں رہتی تھی۔ تاکہ کو دیکھ کر اُس کی ماں خوشی سے نہال ہو گئی۔ اُسے بالکل یقین نہیں تھا کہ اُس کی زندگی میں اُس کی بیٹی اسے زندہ سلامت ملے گی۔ ایک روز قافلے نے اُسی جگہ قیام کیا۔

اُن قوم کا علاقہ اب شروع ہونے والا تھا۔ عینر نے حفاظتی سپاہیوں سے کہا کہ یہاں سے وہ واپس چلے

جائیں۔ آگے وہ منصوبے کے مطابق اکیلا ہی سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ تیسرے روز سپاہی واپسی سفر پر روانہ ہو گئے۔ عنبر نے عائکہ کی بوڑھی والدہ سے ہن قوم کے رہن سہن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ اسے پتہ چلا کہ یہ قوم پانی اور اناج کے دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہے۔ ان کا ایک جنگ کا دیوتا بھی ہے جو انہیں ہر جنگ کی اجازت اور فتح کی خوش خبری دیتا ہے۔ عنبر ایک ہفتہ عائکہ کی والدہ کے گھر ٹھہرا رہا۔ آٹھویں روز اس نے ایک خوبصورت سیاہ گھوٹا خریدا اور تیاری شروع کر دی۔

عائکہ نے کہا

”عنبر بھائی! میری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ آپ ایک بڑی ہی دہشی اور آدم خور قوم میں جا رہے ہیں، رب عظیم آپ کی حفاظت کرے اور آپ جلد واپس ہمارے پاس آئیں۔“

عنبر نے عائکہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”بس مجھے تمہاری دعاؤں کی ہی ضرورت ہے عائکہ! تم

دعا کرتی رہنا پھر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔“

عنبر نے عائکہ کی ماں کو بھی جھک کر ادب سے سلام کیا

اور گھوٹے پر سوار ہو کر صحرائے گوبی کے اس علاقے کی

طرف چل پڑا جہاں سے یہی قوم کی سلطنت کی حدود
 بشرع ہوتی تھی۔ اس نے بڑی بڑی برٹیوں کے سوداگر کا بھیس
 بدل رکھا تھا اور ساتھ ایک بھولے میں مختلف قسم کی جڑی
 بوٹیاں بھی جمع کر رکھی تھیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک صحرا تھا مگر
 یہاں گرمی کی شدت کم تھی اور بڑی خوشگوار ہوا چل رہی
 تھی۔ رات کو بڑی سخت سردی ہو گئی۔ عنبر نے بھولے میں
 سے سیاہ اون کا گھیل نکال کر اپنے اوپر اٹھ لیا اور سمٹ
 کر سو گیا۔ اُسے پھر بھی رات بھر سردی لگتی رہی۔

صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل
 پڑا۔ سورج نکلا تو گرمی نے اس کے بدن پر خوشگوار
 اثر کیا۔ دوپہر کے وقت اس نے دُور کچھ خیمے دیکھے۔ وہ
 اُن خیموں کے قریب جا کر گھوڑے بسے اتر پڑا۔ اُسے بھوک
 محسوس ہو رہی تھی۔ خیمے کے باہر کچھ بچے کھیل رہے تھے
 اور ایک بوڑھی عورت بکری کا دودھ دودھ رہی تھی۔ عنبر
 نے قریب جا کر اُس عورت کو سلام کیا اور کہا کہ اُسے بھوک
 لگی ہے۔ بوڑھی عورت نے پہلے تو بڑے غور سے عنبر
 کو دیکھا۔ پھر مٹی کے کٹورے میں دودھ ڈال کر آگے کر دیا۔
 عنبر غٹا غٹ سا دودھ پی گیا۔ عورت اُسے برابر اپنی
 درد چیتے ایسی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ جب وہ دودھ

پی چکا تو اس نے پوچھا۔
 ”تم کون ہو اور ادھر کیا لینے آئے ہو؟“
 عنبر نے بڑی ملائت سے کہا۔

”بی بی! میں جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہوں اور جڑی بوٹیوں
 کی تلاش میں شہر شہر سفر کر رہا ہوں۔“
 پھر اس نے جھولے میں سے مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں
 نکال کر دکھائیں۔ عورت کو عنبر کی باتوں پر یقین آ گیا۔ عنبر
 نے پوچھا کہ یہاں کوئی مرد دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ سب
 لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ عورت نے اسے بتایا کہ سارے
 مرد ساتھ والے شہر میں لوٹ مار کرنے گئے ہوئے ہیں۔
 عنبر سمجھ گیا کہ وہ وحشی ہیں قوم کے علاقے میں داخل ہو
 چکا ہے وہ چلنے لگا تو بوڑھی عورت نے کہا۔
 ”تمہارے پاس اگر سونے پانڈی کے سکتے ہیں تو چپکے
 سے مجھے دبے جاؤ ورنہ میرے قبیلے کے لوگ تمہیں
 لوٹ کر قتل کر دیں گے۔“

عنبر نے بوڑھی عورت سے کہا۔

”مگر بی بی میں تو ایک امن پسند سوداگر ہوں۔ میری تو
 کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے۔ پھر تمہارے قبیلے کے لوگ
 مجھے کیوں ماریں گے؟“

بڑھی عورت نے ہنس کر کہا۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ سارا علاقہ ہن قوم کا علاقہ ہے اور یہاں کوئی غیر قوم کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔“
”مگر بی بی! اب میرا کیا ہوگا؟ میں تو واپس بھی نہیں جا سکتا۔“

”پانی کا دیوتا امارس تمہاری حفاظت کرے۔ تم اپنے آپ موت کے منہ میں آگئے ہو۔ میں نہیں اپنے ہاں پناہ نہیں دے سکتی۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے بچے بچے بھی تمہارے ساتھ ہی قتل کر دیں گے۔“

”تو پھر میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔“
”مگر تم آگے کہوں جا رہے ہو؟ آگے تو وہ خیمے شروع ہوتے ہیں جہاں ہماری ملکہ عییکا کا بڑا شاہی خیمہ لگا ہے۔ وہاں تو تم بالکل ہی زندہ نہ بچ سکو گے۔“
عین نے مسکرا کر کہا۔

”بی بی! مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ میں آگے ضروری جاؤں گا چاہے اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ نکلے۔“
بڑھی عورت عین کی بہادری پر بہت حیران ہوئی۔ اُس نے اُسے کہا کہ اگر راستے میں کسی نے اُس کو قتل کرنے کی کوشش کی تو وہ آگے سے مقابلہ ہرگز نہ کرے۔ اس طرح

ممکن ہے کہ اُس کی جان بخشی کر دی جائے۔ لیکن اگر اُس
 نے مقابلہ کیا تو وہ اُسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔
 ”بہت اچھا بی بی! میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گا۔“
 اتنا کہہ کر عنبر آگے روانہ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مین
 قوم کی خوشخواری جیسی سُنی تھی دینی ہی ہے۔ یہ قوم آہم خور
 قسم کی ہے اور وہ ضرور کسی روز مونجواڑو میں گھس کر
 دہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ وہ چلتا گیا۔ سورج
 مشرق کی طرف چھکنے لگا تھا اور صحرا میں دھوپ کا رنگ
 سنری ہو گیا تھا۔ اچانک عنبر کو سامنے سے کچھ گھوڑ سوار
 آنے دکھائی دیئے۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے دیکھا کہ
 وہ لوگ گھوڑوں کی تنگی پیچھے پر سوار تھے اور آندھی کی
 طرح گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر کو دیکھ
 لیا تھا۔ قریب آکر سارے گھوڑ سواروں نے عنبر کے
 گرد گھیرا ڈال لیا۔ اُن کی شکلیں وحشی چیتوں کی طرح تھیں
 اور اُن کی آنکھوں سے آگ کی چمکاریاں نکلتی محسوس ہو رہی
 تھیں ایک گھوڑ سوار کے سر پر سفید عقاب کے پروں
 کی کھفی لگی تھی۔ اُس نے عرج کر کہا۔

”کون ہزتم؟“

خونخوار عمیکا

چھ سات خونی وحشی ہُن عنبر کو گھیرے کھڑے تھے۔
 انہوں نے بھیڑ کی اُون کے کرتے پہن رکھے تھے۔
 اُن کے چہرے تپتے ہوئے تانبے کی طرح چمک رہے تھے۔
 اُن کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اور اُن کے
 ہاتھوں میں تنگی "تلواریں" تھیں۔ کلفی والے گھوڑ سوار نے
 دوسری بار گرج کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"
 عنبر نے سوچا کہ اب خاموش رہنا مناسب نہیں ہے۔
 اس نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک سندھ کا رہنے والا ہوں
 اور یہاں بڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں۔" نہیں تاجر
 ہوں۔"

وہ سب وحشیوں کی طرح تہقے لگا کر ہنسنے لگے۔
 کلفی وار نے کہا۔
 "تم اپنی موت کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ تمہارے

پاس سونا ہے ۹
 "ہاں۔ کچھ نکتے ہیں"

"انہیں میرے حوالے کرو اور میرے ساتھ چلو۔"
 عنبر نے جیب میں سے ہونے کے نکتے نکال کر
 کلفی دار کے حوالے کر دیتے اور اپنا گھوڑا موڑ کر اُن کے
 ساتھ ساتھ چل پڑا۔ اُن لوگوں نے عنبر کے گھوڑے
 کو پیچ میں گھیر رکھا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ
 خیمے لگے تھے۔ یہاں عنبر کو ایک خیمے میں رسیدوں سے باندھ
 کر قید میں ڈال دیا گیا۔ اُس کا گھوڑا چھین لیا گیا۔ عنبر ساری
 رات خیمے میں قید کی حالت میں پڑا سوچتا رہا کہ یہاں سے
 نکل کر ملکہ کے دوبارہ میں جانے کی کیا ترکیب ہو؟ رات گئے
 تک اُن وحشی باہر ریت پر ایک بھیڑ کو بھون کر کھاتے
 اور شور مچاتے رہے۔ ایک وحشی نے آکر بھیڑ کے گوشت
 کا ٹکڑا عنبر کی بھولی میں بھی پھینک دیا۔ پھر وہ لوگ باہر
 ریت پر کھلے آسمان تلے ہی کبیل اڑھ کر سو گئے۔ عنبر نے
 اب وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا
 رستی بڑی مضبوط کے ساتھ باندھی گئی تھی اور کوشش کے
 باوجود اپنے ہاتھ پاؤں نہیں کھول سکتا تھا۔ ساری رات عنبر
 نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح ہوئی تو اسے گھوڑے پر

بٹھا کر وحشی ہُن اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑے۔ وہ سارا دن چلتے رہے۔ شام کو انہوں نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں سرد کے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے اور یہ درخت ارد گرد ٹیلوں پر بھی پھیلے ہوئے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ کسی آبادی کے آس پاس ہے۔ وحشی ہُن رات گئے تک گشت بھون بھون کر کھاتے اور شور ہنگامہ مچاتے رہے۔ عنبر کو انہوں نے خیمے میں باندھ کر قید میں ڈالا ہوا تھا۔ آدھی رات کے بعد اچانک کسی کی چیخ کی بلند آواز گونجی اور پھر چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ عنبر نے اٹھ کر خیمے کے باہر پہرہ دیتے وحشی ہُن سے پوچھا۔

”کیا بات ہوئی ہے؟ یہ چیخ کی آواز کس کی تھی؟“

پہریدار ہُن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”کروشکا کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ مر رہا ہے۔“

کروشکا اُس کلفی دار ہُن کا نام تھا جس نے عنبر سے

پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ عنبر نے

پہریدار سے کہا کہ مجھے کروشکا کے پاس لے چلو۔ میں اُس

کا علاج کر کے اُسے تندرست کر دوں گا۔ پہلے تو پہریدار

نے اُس کی پرواہ نہ کی۔ لیکن جب عنبر نے بے حد اصرار کیا اور اُدھر کر دشکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تو پہریدار اُسے اُسی طرح رسیوں میں باندھے کر دشکا کے پاس لے گیا۔ کر دشکا کے سارے جسم میں سانپ کا زہر پڑھ گیا تھا اور وہ بے ہوش پڑا تھا۔ دوسرے وحشی ارد گرد پر لٹیاں ہو کر کھڑے تھے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے سردار کی جان کس طرح بچائیں۔ عنبر نے کہا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں تاکہ وہ کر دشکا کا علاج کر سکے۔ فوراً رستیاں کھول دی گئیں۔ عنبر نے جلتی آگ پر پانی گرم کر کے جھوٹے ہیں سے ایک بوٹی کا ست نکال کر اس میں ڈالا اور اُسے نیم گرم کر کے جلدی سے کر دشکا کے ہونٹ کھول کر اُس کے حلق میں ٹپکا دیا۔

اُس عرق نے جادو کا کام کیا۔ کر دشکا جو کہ مرنے کے قریب تھا۔ بے ہوش تھا اور اکھڑنے اکھڑے سانس لے رہا تھا اُس کی حالت بدلنے لگی۔ اُس کا سانس ٹھیک ہو گیا۔ بخار کی شدت میں کمی آ گئی۔ اور نقوڑی دیر بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ تمام وحشی بن حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ کہ اس نوجوان سوداگر کے پاس کونسی ایسی جادو کی دوا تھی جس نے اُن کے سپہ سالار کو موت کے منہ سے بچا لیا۔

کردشکا کو جب معلوم ہوا کہ وہ عنبر سوداگر کی دوا سے اچھا ہوا ہے تو اُس نے تندرست ہونے کے بعد عنبر کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا۔

”میں تمہارے لیے اس کے بدلے میں کر سکتا ہوں؟“
عنبر کو غم کی ماں نے بتا دیا تھا کہ اگر تم کسی وحشی
مُن پر احسان کرو گے تو وہ اُس کا بدلہ چکانا اپنا فرض
سمجھتا ہے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو وہ تمہارے دشمن بن
جائیں گے۔ چنانچہ عنبر نے فوراً کہا۔

”میں چاہتا ہوں کہ ملکہ عمیکا کے دربار میں پیش ہو کر
اُس سے ایک ملاقات کروں۔ تاکہ میرا یہ سفر یادگار رہے۔“
”یہ ہو جائے گا۔“

دوسرے روز کردشکا بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اُس نے
عنبر کو ساتھ لیا اور عمیکا کے محل کی طرف چل پڑا۔ ایک
دن کی مسافت طے کرنے کے بعد شام کو وہ اُس علاقے
میں پہنچ گئے جہاں میدان میں بے شمار خیمے لگے تھے۔ ان
خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا اور عالی شان تھا۔ کردشکا
نے عنبر کو بتایا کہ یہ خیمہ ملکہ عمیکا کا ہے۔ انہوں نے
وہ رات کردشکا کے خاص خیمے میں بسر کی۔ صبح سویرے
تیار ہو کر کردشکا عنبر کو ملکہ عمیکا سے ملانے دربار میں

لے گیا۔ عنبر نے اُس سے پہلے مصر و شام سور یہ اور بابل و
 نینوا کے عظیم بادشاہوں کے دربار دیکھے تھے۔ اُس کا خیال
 تھا کہ ملکہ عمیکا کا دربار بھی اسی قسم کا ہوگا۔ مگر وہ یہ دیکھ
 کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بظاہر
 شان و شوکت کی بجائے عمیکا کے دربار میں ایک سادگی
 جلال اور دہشت تھی۔ ایک اونچے چھت والے عیسے کے
 نیچے ان گنت ریشی قالین بچھے تھے۔ سامنے ایک کٹری
 کے تخت پر گاؤ تکیے اور قالین لگے تھے۔ اور
 اس پر ملکہ عمیکا بیٹھی تھی۔ ایک زرد آنکھوں والا
 آدم خور قسم کا چیتا سونے کی زنجیر سے بندھا اُس
 کے پاس بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں قالین پر کچھ سفید اور
 سیاہ داڑھیوں والے درباری غامبز بیٹھے ہوئے
 تھے۔

کردشکا نے دربار میں داخل ہو کر دوبار جھک کر ملکہ
 کو سلام کیا اور پھر عنبر کو ایک طرف سلام کر کے بیٹھ
 جانے کا اشارہ کیا۔ عنبر نے بھی دوبار جھک کر سلام
 کیا اور وہ کردشکا کے پہلو میں قالین پر بیٹھ گیا۔ اُس
 وقت عمیکا کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ ایک
 مہن نے دوسرے مہن کے نیچے میں گھس کر چوری کر لی تھی

عمیکا نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد حکم دیا کہ چور کی گردن کاٹ کر اُس شخص کے خیمے کے باہر لٹکا دی جائے جس کے گھر اُس نے چوری کی تھی۔ سپاہی اُس شخص کو پکڑ کر لے گئے۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہاں چوری کی سزا گردن کاٹ کر دی جاتی ہے تو قتل کی سزا کیا ہوگی؟ کروشکا نے اُسے بتایا کہ کسی بے گناہ ہُن کو قتل کر دینے کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو جنگلی بکرے کی کھال میں زندہ سی کر ریت میں دبا دیا جاتا ہے۔ عنبر کو معلوم ہوا کہ اُن کے قبیلے میں آپس میں قتل کی وارداتیں کبھی نہیں ہوتی تھیں اور چوری کی واردات بھی ایک ایسے شخص نے کی تھی جو کاکیشیا کے علاقے سے وہاں آکر آباد ہو گیا تھا۔ ورنہ ہُن کبھی چوری نہیں کرتے تھے اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے تھے۔ ہاں دوسرے قبیلے کے لوگوں کو قتل کرنے میں وہ ایک پل کی دیر بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ دشمنوں کے ساتھ وہ بد سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

مقدمے کے فیصلے کے بعد عمیکا نے دربار کے وزیروں کو کچھ احکام دیئے اور پھر کروشکا کی طرف دیکھا اور کہا۔

”کردشکا ! تمہارے ساتھ یہ اجنبی کون ہے ؟ مجھے یہ
نوجوان مصر کے ملک سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
عنبر ملکہ عمیکا کی قیافہ شناسی پردنگ رہ گیا۔ آج تک
کسی نے اسے اتنی بلدی اور اتنا صبح نہیں پہچانا تھا۔ کردشکا
نے جھک کر کہا۔

”ملکہ ! یہ نوجوان جرّی بوٹیوں کا ناگر ہے اور کہتا ہے
کہ وہ ملک ہندھ سے آیا ہے اور جرّی بوٹیوں کو تلاش
کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ اسے آپ کے نیاز حاصل کرنے
کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ میں اسے آپ کی خدمت میں
لے آیا ہوں۔“
ملکہ عمیکا ہنس پڑی۔

”اس نوجوان کو ہمارے قریب لاؤ“

کردشکا نے عنبر کو ساتھ لیا اور ملکہ کے تخت کے
قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ عنبر ملکہ کے تخت کے قریب
پہنچا ہی تھا کہ سونے کی زنجیریں بندھا ہوا چلتا پریشان
ہونے لگا۔ عنبر نے یہ ہمیشہ محسوس کیا تھا کہ جانور اسے
دیکھ کر گھبرا جاتا کرتے تھے۔ انسانوں کو پتہ نہیں چلتا تھا
کہ وہ ایک آئینبی انسان ہے اور وہ ہزار برس سے زندہ
چلا آ رہا ہے لیکن جانور کو احساس ہو جاتا تھا کہ وہاں

کوئی غیر فطری شے آگئی ہے۔ یہی حال ملکہ عمیکا کے چیتے کا تھا۔ عنبر کے قریب آتے ہی وہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بدن پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ پھر وہ ملکہ کے پیچھے جا پھٹا۔ ملکہ حیران ہوئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ چلتا اس سے پہلے کبھی کسی کو دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُسے دیکھ کر لوگ ڈر جایا کرتے تھے۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ چلتا ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ملکہ نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”کیا تم ملک مصر کے رہنے والے نہیں ہو؟“
ملکہ کی عقاب ایسی تیز نگاہوں میں بلا کی کشش تھی۔ عنبر پر اُن آنکھوں کے جادو کا اثر ہونے لگا۔ لیکن چونکہ وہ ایک ایسا انسان تھا جس پر ایک آسیب کا سایہ تھا۔ چنانچہ وہ بہت جلد سنبھل گیا اور اُس نے ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا۔

”میں ملک مصر میں پیدا ضرور ہوا تھا مگر اس کے بعد دہاں سے چلا آیا۔“

اور ملکِ سندھ میں آکر آباد ہو گیا۔
”تم کب مصر میں پیدا ہوئے تھے؟“
”آج سے دو ہزار سال پہلے۔“

اس جواب نے سارے درباریوں کو دم بخود کر دیا۔
ملکہ بھی اس کی طرف دیکھ کر پہلے بھونچکی سی ہو گئی
اور پھر مسکرا کر بولی۔

”مجھے تم کوئی مسخرے معلوم ہوتے ہو۔ بہر حال تم اگر
میرے دربار میں رہ جاؤ تو میں تمہیں اپنے دربار کا مسخرہ
بنالوں گی۔ کیونکہ تم ہنسنے ہنسنے والی باتیں بہت کرتے ہو
عہتر نے یہ جملہ یونہی نہیں کہا تھا۔ اُس نے پختہ ادا
کر کے یہ فقرہ زبان سے ادا کیا تھا کہ اگر ملکہ نے اُس
سے پوچھا کہ وہ کس طرح دو ہزار برس سے زندہ ہے تو
وہ اسے ثابت کر کے دکھا دے گا۔ اتنی لمبی زندگی میں
یہ پہلا موقع تھا کہ عہتر نے خود جلال میں آ کر اپنی شخصیت
کا راز ظاہر کر دیا تھا۔ لیکن یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ ملکہ
عمیکا نے اُسے مذاق سمجھا۔ عہتر نے بھی بات مذاق میں ٹال
دی۔ مگر اُسے ملکہ کی اس بات سے دُکو ہوا کہ وہ اُسے
درباری مسخرے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ اُس نے ادب
سے جبک کر کہا۔

”میں آپ کا درباری مسخرہ بننے میں بھی عورت محسوس
کردوں گا۔“

اگرچہ عہتر کی بھرے دربار میں بے عزتی ہوئی تھی مگر عہتر

اسے برداشت کر گیا تھا۔ وہ ملکہ عمیکا کے ساتھ لڑائی
مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جس مقصد کو لے کر وہاں آیا
تھا اس کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خاموشی سے ملکہ کی فوج کے
سارے راز معلوم کرے۔ ملکہ کی گستاخ زبان سے اتنا ضرور
ہوا کہ عنبر نے اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ چاہتا
تھا کہ اس مغرور ملکہ کو ایسا مزا چکھائے جسے وہ ساری عمر
یاد رکھے۔

”ٹھیک ہے آج سے تم ہمارے درباری مسخرے ہو۔
تمہیں ہمارے دربار میں رہ کر مناسب موقع پر دلچسپ
بلیفیں سننا سنا کر ہمیں خوش کرنا ہوگا۔ کر دیشکا! اس
نوجوان کو مسخرے کا لباس پہنا دو۔“
کر دیشکا نے سر جھٹکا کر کہا۔
”جو حکم ملکہ عالیہ!“

عنبر درباری مسخرہ بنا دیا گیا۔ اس کا لباس بڑا مضحکہ خیز
تھا۔ پاؤں میں لمبے جوتے۔ چمڑے کا لمبا کرتہ اور سر پر
گول پھندے والی ٹوپی۔ عنبر نے اس میں اپنی بے عزتی ضرور
محسوس کی مگر اس نے اسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ کر دیشکا
نے اسے کہا۔

”میرا خیال تھا کہ تمہیں دربار میں کوئی باعزت عہدہ ملاؤں گا

مگر تم نے یہ کہہ کر کہ تم دو ہزار برس پہلے پیدا ہوئے
تھے کبھرے دربار میں مہابت کر دیا کہ تم واقعی مسخرے ہو۔
بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان دو ہزار برس سے
زندہ چلا آ رہا ہو؟

عنبہ نے کہا:

”تمہارا خیال درست ہے کر دسکا“

”پھر تم نے ایسی مذاق کی بات کیوں کی؟“

”میرا خیال تھا کہ ملکہ میرے جواب سے خوش ہو کر
مجھے خوب انعام دے گی۔ لیکن اُس نے مجھے مسخرہ بنا کر
رکھ لیا۔“

”بہر حال درباری مسخرہ رہ کر بھی انہیں میں خوش قسمت
ہی کہوں گا۔ ورنہ اگر ملکہ ملامت ہو جائیں تو ابھی تمہارا
سر قلم کروا دیتیں۔“

عنبہ کر دسکا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”میں خوش قسمت ہوں کر دسکا۔ واقعی خوش قسمت ہوں۔“

اب عنبہ باقاعدہ دربار میں ہر روز حاضر ہوتا۔ وہ بات

بات پر ملکہ کو اپنی دلچسپ باتوں سے ہنسایا کرتا۔ چیتا اسے

دیکھ کر ہمیشہ ملکہ کے عقب میں چھپ کر غرانے لگتا تھا۔

ایک روز ملکہ نے چیتے کو بہت مارا۔ وہ غرانا دیا۔ دھاڑتا رہا۔

مگر جوہنی عنبر کی موجودگی کو محسوس کیا فوراً ملکہ عمیکا کے پیچھے جا چھپا۔ ملکہ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک روز عنبر سے پوچھا۔

”عنبر! کیا تمہارے پاس کوئی ایسی ہڈی یا جڑی بوٹی ہے جسے محسوس کر کے ہمارا چلتا گھبرا جاتا ہے اور تمہارے سامنے نہیں آتا؟“

عنبر نے کہا۔
 ”ایسی کوئی بھی شے میرے پاس نہیں ہے بلکہ سلامت“
 ”پھر ہمارا چلتا تمہیں دیکھ کر کیوں گھبراتا ہے؟“
 ”یہ تو میں بھی نہیں جانتا ملکہ سلامت“

عنبر صاف مکر گیا۔ اب اُس کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ملکہ پر اپنی زندگی کے اہم ترین راز کو افشا کرتے پھرے۔ اب وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے ملکہ کی نزاری فوج اور اسلحہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس بھاگ جائے۔ اس مقصد کے لیے اُس نے کروشکا کو اپنا دوست بنا لیا۔ کروشکا کی اُس نے زندگی بچائی تھی۔ چنانچہ وہ اُس کا بہت خیال رکھتا تھا اور اُس کی ہر بات مان لیتا تھا۔ ایک روز اُس نے عنبر کو بڑے مازہ دارانہ انداز میں پوچھا۔

عنبر! اگر میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا تم مجھے
اُس کا صحیح جواب دو گے؟
”ضرور پوچھو“
کروشکا نے کہا۔

”یہ کیا بات ہے کہ مکہ عمیکا کا چلتا تجھے دیکھ کر ڈر
جاتا ہے۔ حالانکہ وہ تو ایک درندہ ہے۔ اُسے تو نہیں ڈرا
چاہیئے۔ پھر اس کی وجہ کیا ہے؟“

عنبر نے ایک پل کے لیے سوچا کہ کروشکا کو وہ اصل
بات بتا دے۔ لیکن پھر اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ
کیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے
مسکرا کر کہا۔

”بات دراصل یہ ہے کروشکا کہ میں چیتے کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال کر اُسے گھورتا ہوں تو وہ سہم جاتا ہے۔
کیونکہ جنگل کا ہر جانور انسان سے گھبراتا ہے۔ ہاں اگر انسان
ڈر جائے تو پھر جانور اُسے ڈرانے لگتا ہے۔ چونکہ میں
چیتے سے ڈرتا نہیں اس لئے وہ مجھ سے خوف زدہ ہو
جاتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔“

کروشکا نے تعجب سے کہا
”کچھ یقین نہیں آ رہا۔ ایسے لگتا ہے جیسے بات کچھ

اور ہی ہے جیسے تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔

"بھلا مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ اور بات بھی کیا ہو سکتی ہے؟"

کردشکا اکثر عنبر سے اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر کو معلوم ہو گیا کہ کردشکا ملکہ سے خوش نہیں ہے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اسے گوارا نہیں تھا

کہ ہن ایسی بہادر اور دہشتی قوم کی ملکہ ایک عورت ہو۔ اس قوم کی مرداری ایک مرد کو کرنی پڑتی تھی۔ عنبر نے ایک روز کردشکا کا دماغ ٹوٹنے کے لیے کہہ ہی دیا۔

"ملکہ سلامت بڑی لائق اور قوم کی دفاع دار ہیں۔ مگر کردشکا جب باہر والے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ہن ایسی خوشنود اور دہشتی قوم پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

کردشکا نے ادھر ادھر دیکھ کر فوراً اپنا ہاتھ عنبر کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور کہا۔

"دبونا امارس کے لیے یہ بات پھر کبھی زبان پر نہ لانا۔ تم اپنے ساتھ میری گردن بھی قلم کراؤ گے۔"

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا۔
"میں یہ بات پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ مگر تم مجھے

صرف اتنا بتا دو کیا میں نے غلط بات کی ہے؟
 "نہیں۔ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ مگر ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتے
 ملکہ کے ارد گرد ساری قوم کے دیرانے جمع ہیں۔ جو اُس کے
 لیے لاکھوں آدمیوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ بس اب خاموش
 رہنا ہی بہتر ہے۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اُس نے کرڈشکا سے فوجوں کی
 تعداد اور اسلحہ کے بارے میں باتوں ہی باتوں میں دو ایک
 بار کرید پوچھنے کی کوشش کی مگر اُسے تسلی بخش جواب نہ مل
 سکا۔ حقیقت یہ تھی کہ خود کرڈشکا کو بھی زیادہ معلومات نہیں
 تھیں۔ ملکہ عمیکا کی فوج بکھری ہوئی تھی۔ جہاں تک عنبر نے
 اندازہ لگایا تھا اُن فوج لاکھوں کی تعداد میں تھی۔ اُن میں
 سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہیں اس طرح تربیت
 دی گئی تھی کہ وہ جہاں حملہ کرتے اپنی خوراک اور لباس
 وہیں سے پیدا کرتے تھے۔ وہ دشمن کو پہلے لوٹتے تھے اور
 پھر قتل کر دیتے تھے۔ یا پہلے قتل کرتے تھے اور بعد میں
 لوٹ لیتے تھے۔ فوجوں کی تعداد اور مصر پر حملے کے بارے
 میں کرڈشکا بے خبر تھا۔ عنبر نے ایک ماہ میں یہ معلوم کیا کہ وہ
 شخص جس کو ملکہ عمیکا کے سارے جنگی لازم معلوم ہیں وہ اُمالی نام
 کا ایک جرنیل ہے جو ملکہ کے قریب رہتا ہے عنبر نے جرنیل اُمالی
 کے ساتھ تعلقات بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

صحرائے گوبی سے فرار

لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ایک روز عنبر دربار میں بیٹھا تھا کہ وہاں ملک سوربہ کا ایک امیر تحفے متخالف لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس شخص کو اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ مگر اُس نے زیادہ خیال نہ کیا۔ ٹھیک اُسی لمحے اُس امیر نے بھی عنبر کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ وہ امیر ملکہ عمیکا کی جمدودی اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ملکہ کی خدمت میں تحفے متخالف پیش کرنے کے بعد کہا۔ ”ملکہ عالیہ! یہ شخص کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟“

ملکہ نے کہا۔

”یہ شخص درباری مسخرہ ہے۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرنے اور آیا تھا۔ لیکن ہم نے محسوس کیا کہ یہ سوداگر سے زیادہ مخرب ہے۔ چنانچہ ہم نے اسے اپنے دربار کا مسخرہ بنا لیا۔“

امیر کو معلوم تھا کہ ملکہ عمیکا موجوداڑ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ اُس نے کہا۔

”مگر ملکہ عالیہ ! یہ شخص مہنچو داڑو کے شہزادے کا جاسوس ہے میں نے اسے مہنچو داڑو کے دربار میں دیکھا ہے۔ یہ انکشاف بجلی بن کر ملکہ پر گرا۔ وہ آگ بگولا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عنبر بھی چکڑ میں آ گیا کہ یہ اچانک پانسہ کیسے پلٹ گیا۔ سارے درباری عنبر کو غصے اور نفرت کے عالم میں دیکھنے لگے۔ ملکہ نے گرج کر کہا۔

”اے درباری مسخرے ! کیا یہ بات سچ ہے کہ تم مہنچو داڑو کے شہزادے کے جاسوس ہو؟ اور یہاں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟“

عنبر نے سوچا کہ یہاں ”مکر جانا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”یہ جھوٹ ہے ملکہ عالیہ ! میں مہنچو داڑو کے دربار میں جڑی بوٹیوں کے سوداگر کی حیثیت سے گیا ضرور تھا مگر میں جاسوس نہیں ہوں۔“

ملکہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے غصے کے عالم میں اپنے چیتے کی زنجیر کھول دی اور اسے عنبر کی طرف حملے کا حکم دیا۔ چیتا اشارہ پا کر عنبر کی طرف لپکا مگر قریب جاتے ہی کھجیگی بلی بن کر واپس ملکہ کے پاؤں میں آکر لسنے لگا۔ سارے درباری حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ملکہ نے کہا۔

”اس کے پاس درندوں کو ڈرانے کا جادو ہے۔ اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ ہم خود اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اس کی لاش مونجواڈ کے دربار میں بھیجیں گے۔“
 غنبر کو اسی وقت زنجیریں ڈال دی گئیں اور قید خانے پہنچا دیا گیا۔

یہ قید خانہ زمین کے اندر ایک گودھا بنا کر بنایا گیا تھا۔ غنبر کو ایک رستے کے ذریعے اندر ڈال کر رستہ اوپر سے کھینچ لیا گیا اور گڑے کے سوراخ پر پتھر رکھ دیا گیا۔ اب وہ ایک تاریک اندیرے گڑے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ زندہ ایک قبر میں اتر آیا ہے۔ اوپر سوراخ کی جھریوں میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی دھیمی دھیمی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ غنبر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک پل کے اندر اندر سب کچھ ہی پلٹ کر رہ جائے گا اور وہ دربار سے اٹھ کر جیل خانے کی کونڈری میں آ جائے گا۔ لیکن اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ چپ چاپ بیٹھ کر آنے والے حالات کا انتظار کرے۔

صبح دشام ایک وحشی ہنر رستی کے ذریعے اوپر سے گشت کا ٹکڑا اور بھٹوڑا سا پانی اندر پھینک دیتا۔ غنبر کو وہاں پڑے پڑے سرف دھیمی دھیمی کرنوں کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا

کہ اب رات ہو گئی ہے اور اب صبح ہو گئی ہے۔ اُس اندھیرے گڑھے میں پڑے پڑے چھ روز ہو گئے تو وہ پٹیاں ہو گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے مکہ عمیکا اُسے گڑھے میں ڈال کر بھول گئی ہے۔ اُسے موت کی تر بالکل پرہا نہیں تھی۔ فکر یہ تھا کہ اُس کا منصوبہ خاک میں مل رہا تھا جسے لے کر وہ منجہ داروں سے وہاں آیا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اُس منصوبے کو ترک کر دے۔ مکہ عمیکا سے تو اُسے بیر ہو گیا تھا اور اُسے ضرور ایک بار مزہ چکھنا چاہتا تھا۔ غیر کو محسوس ہوا کہ اُس کا وقت بے فائدہ ضائع ہو رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے دیوی بلیطیس کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے گڑھے میں ایک طرف بیٹھ کر آنکھیں بند کیں۔ دھیان میں دیوی کی شکل کو سامنے کیا اور آواز دے کر دیوی کو پکارا۔ آخر دیوی ہوا۔ اُس کے چھ سات بارہ پکارنے پر گڑھے میں ایک طرف روشنی پکی اور دیوی بلیطیس کی بہن اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا بات ہے؟ تم نے مجھے اب کس لئے یاد کیا ہے؟ میں نے تمہیں پہچلی دفعہ بھی کہا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھے مت بلایا کرو۔ مجھے تمہارے پاس آتے ہوئے بڑی مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔“

عہتر نے کہا

”میں معذرت چاہتا ہوں۔ دیوی۔ لیکن معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ سوائے تمہاری مدد کے میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔“
”کیا بات ہے مجھے کھول کر اور جلدی سے بتاؤ۔ میں ایک محل میں اپنے ویرناؤں کو ناراض کر کے یہاں پہنچی ہوں۔“
عہتر بولا۔

”بات یہ ہے دیوی کہ مجھے ملکہ عمیکا نے یہاں قید کر دیا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو یہ ایک تاریک اندھیرا گڑھا ہے۔ میں اگر سازی زندگی بھی ٹھکریں مارتا رہوں تو یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور صورت حال یہ ہے کہ جب تک میں یہاں سے باہر نہ نکلوں میں کچھ نہیں کر سکتا۔“
”تم یہاں کس خیال کو ذہن میں لے کر آئے ہو؟“
”میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ ملکہ عمیکا کی فوج کی کل تعداد کتنی ہے۔ اس کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے اور یہ کہ وہ موہنجوداڑد پر کب حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟“
”یہ تم موہنجوداڑد کے شہزادے کے لیے کر رہے ہو؟“
”ہاں! اس لئے کہ اس نے مجھے اور عاکمہ کو پناہ دی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کے ساتھ وفادار رہوں گا۔ دیوی! کیا تم اس سلسلے میں میری

کچھ مدد کر سکتی ہو؟
دیوی نے کہا۔

”عنبر! اس سلسلے میں شاید میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی لیکن میں تمہیں یہاں سے باہر ضرور نکال دوں گی۔ اس کے بعد تم نے ساری جدوجہد خود ہی کرنی ہوگی اور خود ہی معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔“

”مجھے منظور ہے۔ تم مجھے اس جہنم سے باہر نکال دو۔“
”آٹھویں بند کر کے منہ دیوار کی طرف کر کے بیٹھ جاؤ۔“
عنبر نے آٹھویں بند کر لیں اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ دیوی بیلیطیس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
عنبر نے دوسرے لمحے آٹھویں کھولیں تو وہ گرٹھے کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھا اپنے نیچے کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ وحشی نہیں نے اتے پکڑ لیا۔ وہ اسے پہنچاتا تھا۔
”تم گرٹھے سے باہر کیسے نکل آئے؟“

”جادو کے زور سے۔“

وحشی ہن بکا بکا ہو کر رہ گیا۔

”کیا تم جادوگر ہو؟“

”ہاں۔“

”تو پھر چلو ملکہ سلامت کے پاس“
 وحشی بہن عنبر کو گھسیٹتا ہوا اپنے گھوڑے تک لے گیا
 اور اُس نے اُسے گھوڑے پر مُردہ لاش کی طرح ڈالا اور
 گھوڑا دوڑاتے ہوئے شاہی محل میں آگیا۔ کروٹکا اور دوسرے
 درباریوں نے عنبر کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ ملکہ عیسا کا غصہ
 اور جلال تو اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ یہ اُس کی شکست
 تھی کہ اُس کا قیدی ایک تارک گڑھے میں سے باہر نکل آئے
 اور کسی کو کھڑوں کان خبر نہ ہو۔ اُس نے غصے سے کانپتے
 ہوئے کہا۔

”تم اس تارک اندھیرے گڑھے میں سے باہر کیسے
 نکل آئے؟“

عنبر نے یہاں بھی اپنا وہی جواب دہرایا۔
 ”جادو کے زور سے ملکہ سلامت“

”کیا تم جادوگر ہو؟“

”ہاں ملکہ سلامت“

”اس کا ثبوت بتایا کرو۔ اگر ثبوت نہ دیا تو ابھی گردن
 مار دی جائے گی۔“

”ثبوت پیش کرتا ہوں ملکہ سلامت!“

”عنبر شش دہنچ میں پڑ گیا کہ کہیں اُس کا جادو بے اثر

نہ نکل آئے۔ اُس نے خیال ہی خیال میں ایک بار پھر دیوی بلیطیس کو یاد کیا اور ایک بڑا سا پتھر منگوا کر اُسے قالین پر رکھ دیا۔ پھر اس پر زور سے پھونک ماری تو وہ آگ میں جلنے لگا۔ پھر پھونک مار کر اُس نے پتھر کو بجھا دیا۔ کمال یہ تھا کہ قالین کا ایک دھاگہ بھی نہیں جلا تھا۔ اس کے بعد اُس نے پانی سے بھرا ہوا گلاس منگوا دیا۔ گلاس اپنے ہاتھ میں لے کر انڈینا شرمع کر دیا۔ پانی کی ایک دھار مسلسل فرش کے قالین پر گرتی رہی مگر قالین گیلیا نہ ہوا۔ ملکہ نے زور سے تالی بجا کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم ویسے ہی جادوگر ہو جیسے کہ تثبت کے ہوا کرتے ہیں۔ تم آج سے میرے دربار کے شاہی مسخرے بھی ہو گے اور شاہی جادوگر بھی — لیکن تمہیں اس وقت تک جیل خانے میں رہنا ہوگا۔ جب تک تم یہ ثابت نہ کرو کہ تم موبہنچو داڑو کے بادشاہ کے لیے یہاں جاسوسی نہیں کر رہے ہو۔ اگر اس بار بھی تم جیل توڑ کر باہر آ گئے۔ تو تمہیں ہلاک کر کے اونٹ کی کھال میں بند کر دیا جائے گا۔“

عنبر نے اطمینان کا سانس لیا کہ ملکہ نے دوبارہ اُسے اندھیرے گڑھے میں بند نہیں کر دیا۔ کیونکہ وہاں سے

باہر نکلنے کے لیے وہ دوبارہ دیوی بلیطیں سے مدد کی درخواست نہیں کر سکتا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ قید میں چلا گیا۔ اس دفعہ اُسے جس قید خانے میں ڈالا وہ ایک پتھرے ٹیلے کے اوپر بنا ہوا تھا۔ سلاخوں والے دروازے کے باہر ایک وحشی ہن تلواریں کندھے پر رکھے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اُسی قید خانے میں ایک اور قیدی پہلے سے ہی محدود تھا۔

یہ قیدی ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی شکل چینیوں سے ملتی جلتی تھی۔ وہ کونے میں آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ عنبر اندر آیا تو اُس نے آنکھ اٹھا کر بھی اُس کی طرف نہ دیکھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی عبادت کر رہا ہے۔ عنبر نے اُسے پریشان کرنا مناسب خیال نہ کیا اور چپ چاپ دوسرے کونے میں بیٹھ کر وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب سوچنے لگا۔ اس لئے کہ اب کی بار وہ دیوی بلیطیں کو مدد کے لیے نہیں پکار رہا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے کی طرح اپنی ہمت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو۔

مختصری دیر بعد اُس بوڑھے نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

”تم کون ہو بیٹے؟ اور کس جرم کے بدلے قید ہیں
ڈال دیئے گئے ہو؟“

عین نے ساری داستان بوڑھے کو سن ڈالی۔ صرف اُسے
یہ نہ بتایا کہ پہلی بار دیوی بلیطیس نے اُسے اندھیرے گڑھے
میں سے نکالا تھا۔ اور یہ کہ وہ موہنجو دارو کے شہزادے کی
طرف سے وہاں جاسوسی کرنے آیا ہوا ہے۔ عین نے بوڑھے
سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اُسے کس لئے جیل میں ڈال
دیا گیا ہے؟ اس پر بوڑھے نے کہا۔

”بیٹا عین! میرا نام سانچو ہے۔ میں تبت کا رہنے والا
ایک راہب ہوں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے
ملکہ عمیکا کے دربار میں آکر سچے مذہب کا پرچار کیا تھا
اور کہا تھا کہ وہ پانی اور ہنقر کے بتوں کی پوجا چھوڑ
کر اُس عظیم شہزادے کی عبادت کرے جو دیکھی لوگوں کے
لئے بہت جلد اُس دنیا میں آنے والا ہے۔ جو ایک رحم دل
شہزادہ ہوگا۔ اور جو دیکھی لوگوں کے لیے تخت و تاج چھوڑ کر
جنگلوں میں چلا جائے گا اور ساری زندگی غریب اور غم زدہ
لوگوں کی خدمت کرتا رہے گا ملکہ عمیکا نے مجھے قید کر دیا
اور حکم دیا کہ پہلے چاند کی صبح کو میرے جسم کی کھال کھینچ
کر مجھے اونٹ کے ساتھ باندھ کر صحرا میں چھوڑ دیا جائے۔“

عبر کانپ اٹھا۔ اُس بے چارے بے گناہ بوڑھے کے
ساتھ یہ اتنا بڑا ظلم ہونے والا تھا۔ اور وہ بوڑھا تبتی
نہایت سکون کے ساتھ جیل میں بیٹھا اپنی موت کا
انتظار کر رہا تھا۔

عبر نے پرچھا۔

”بابا کیا تمہیں یہ موت قبول ہے؟ کیا تم اس کے
خلاف بغاوت نہیں کر دو گے؟“
بوڑھے تبتی کے چہرے پر بڑی معصوم مسکراہٹ
آگئی۔ اُس نے کہا۔

”بیٹا! موت اور زندگی اب میرے لیے ایک برابر
ہے۔ میں نے اپنی زندگی بسر کر لی ہے۔ اب اگر میں
نیکی اور سچ کے پرچار کے جرم میں ہلاک بھی کر دیا
جاؤں تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔“
”بابا کیا تمہارے بچے نہیں ہیں؟“

”ایک لڑکا ہے جو تبت کے بڑے مندر میں پجاری
ہے۔ وہ بادشاہ کا شاہی پردیست ہے مگر دل میں وہ
آنے والے شہزادے کو مانتا ہے۔“

”کیا تمہاری خواہش نہیں بابا کہ تم یہاں سے واپس اپنے
بیٹے کے پاس تبت جاؤ اور باقی زندگی اپنے سنے

مذہب کے پرچار اور تبلیغ میں بسر کرو۔
 ”بیٹا تبت میں بھی نئے مذہب کی تبلیغ کی سزا
 موت ہے۔ وہاں سب لوگ جنگل اور پہاڑ کے بتوں
 کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر میں نے وہاں اپنے نئے مذہب
 کا پرچار کیا تو وہ میرے ساتھ میرے بچے کو بھی قتل
 کر دیں گے۔“

”کیا تم یہاں سے فرار ہونا نہیں چاہتے بابا؟“
 ”مزدور چاہتا ہوں بیٹا۔ آزادی کے عزیز نہیں۔ مگر میں
 بوڑھا ہو گیا ہوں۔ چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہیں
 سکتا۔ اسی لئے میں نے اپنے لئے موت کو گوارا کر لیا
 ہے۔ یہاں سے نکل کر کسی وحشی بہن کی تلوار سے
 ٹکرائے ٹکڑے ہو جانے سے کہیں بہتر ہے کہ یہاں
 آرام سے بیٹھ کر موت کا انتظار کروں۔“
 ”لیکن بابا! میں تو یہاں سے ہر حالت میں فرار ہو
 جانا چاہتا ہوں۔“

”تم جوان ہو بیٹے۔ تمہارا حق ہے کہ تم آزاد زندگی
 بسر کرو اور قید کو گوارا نہ کرو۔ مگر میں بوڑھا ہو
 چکا ہوں۔“

”اگر میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں بابا

تو کیا تم میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو گے؟
 ”کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم یہاں سے نکلنے کے بعد
 وحشی بہن قوم اور خونی عمیکا کے قابو میں نہیں آئیں گے؟“
 ”ہیں پوری کوشش کروں گا۔“

عنبہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بہت جلد فرار
 ہو جائے گا۔ ملکہ عمیکا کی فوج اور اسلحہ کے بارے میں
 اُسے اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اُس کی فوج بے شمار ہے
 اور دوسرے یہ کہ فوج کے اسلحہ میں سوائے ”تلوار“ تیرکان
 اور نیزے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس پتھر
 برسائے والی اور قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنے والی
 بڑی توپیں بھی نہیں تھیں۔ اب وہ جلد سے جلد وہاں سے
 نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ اُس نے قید میں بیٹھے بیٹھے غور
 کرنا شروع کر دیا کہ کون کون لوگ پہرے پر آتے ہیں
 اور کون کون وحشی اُن دونوں کو ایک وقت پر کھانا اور
 پانی دینے آتا ہے۔ عنبہ نے محسوس کیا کہ شام کے وقت
 جب بہن پہرہ دینے آتا ہے وہ پہرہ دیتے دیتے کسی وقت
 اُدبھنے لگتا ہے۔ عنبہ نے اُس کے ساتھ قسمت آزمائی
 کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز جب وہ پہرہ دینے کے لیے
 آیا تو عنبہ نے اُسے سلاخوں کے پاس بلا کر کہا۔

”پانی پلا دو پیاس لگی ہے۔“

پہریدار نے کڑی کے پیالے میں پانی لا کر دیا تو عنبر نے پیالہ اٹا کر دیا مگر پانی باہر نہ گرا۔ وحشی ہُن کی آنکھیں چٹ گئیں۔ عنبر نے پیالے کو پھونک ماری۔ اس میں سے آگ کا شعلہ لپکا۔ پھر پھونک ماری تو پانی میں سبز رنگ کی پھلی تیرنے لگی۔ اب پھونک ماری تو پیالہ غائب ہو گیا۔ پہریدار ہُن نے پوچھا۔

”تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟“

”کیا تم سیکھنا چاہتے ہو؟“

”ہاں۔ مزدور۔ کیا مجھے سکھا دو گے؟“

”اس کی ایک شرط ہے۔“

”دہ کیا؟“

”رات کے وقت اپنے خیمے میں جا کر اپنی بیوی کے سر کا ایک بال لا کر مجھے دو۔ میں اُس بال کو منتر پڑھ کر تمہارے کالوں میں ڈال دوں گا۔ بس پھر میرے منتر تمہیں ایک بار سننے کے بعد یاد ہو جائیں گے اور تم پورے جادوگر بن جاؤ گے۔ پھر تم جب چاہو گے اس ملک کا بادشاہ بن سکو گے۔“

”سچ ہے؟“

”بالکل سچ“

”میں ابھی اپنی بیوی کے سر کا بال لاتا ہوں“
 احمق پریدار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اسے قیدیوں کو
 اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے۔ اس پر جادو سیکھنے کا بھوت
 اس بُری طرح سواہ تھا کہ وہ سنتے ہی اپنے گھر کی طرف
 اٹھ دوڑا۔

عنبر نے پلٹ کر بڑھے تبتی سے کہا کہ وہ ہوشیار ہو
 جائے۔ عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا ہاتھ سلاخوں
 سے باہر نکال کر اسے تالے پر مارنا شروع کر دیا۔ چھ سات
 بار چوٹ مارنے کے بعد تاکہ کھڑاک سے ٹوٹ کر دُور جاگرا۔
 عنبر نے جلدی سے سلاخوں والا دروازہ کھول دیا اور
 بڑھے تبتی سے کہا۔

”بابا! جلدی سے باہر نکل آؤ۔ وقت ضائع کرنے کا
 موقع نہیں ہے۔“

بڑھا تبتی اٹھ کر قید خانے سے باہر آ گیا۔ عنبر نے
 ادھر ادھر دیکھا۔ رات کی خاموشی اور اندھیرا چاروں طرف
 پھایا ہوا تھا۔ دُور نیچوں میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔
 پریدار اُسی طرف بھاگ کر گیا تھا۔ جلدی میں وہ اپنا گھوڑا
 وہیں چھوڑ گیا تھا۔ عنبر نے قریبی اصطبل میں جا کر ایک اور

گھوڑا چپکے سے کھول دیا۔ اُس پر بوڑھے تبتی کو سوار کرایا
اور پہریدار کے گھوڑے پر خود سوار ہوا۔ اُس نے تبتی
بوڑھے سے کہا۔

”اب ہمیں کسی جگہ بھی نہیں رُکنا۔ ساری رات سفر کرنا ہے۔
ہمارا رخ قطب ستارے کے جنوب مشرق کی جانب ہوگا“
اُس نے اپنے اور بوڑھے تبتی کے گھوڑے کو اڑھ
لگائی اور دونوں گھوڑے رات کی خاموشی میں بڑی تیز رفتاری
کے ساتھ ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

پھر قید میں

سفر اس لئے بھی خطرناک تھا کہ دشمن ہن قوم کے غنی وحشی تھے۔

عینر چاہتا تھا کہ راتوں رات صحرا میں جتنی دور نکل سکتا ہے نکل جائے۔ کیونکہ یہ اطلاع ملنے ہی کہ دو قیدی فرار ہو گئے ہیں وحشی ہن سپاہیوں کو ضرور اُن کے تعاقب میں نکل پڑنا تھا۔ عینر بوڑھے بھتی کے ساتھ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن نکلا تو اُن کے گھوڑے تھک گئے۔ وہ ایک چھوٹے سے خشک تالاب کے پاس جا کر رُک گئے جس میں تھوڑا سا پانی ایک طرف جمع تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ درختوں پر سے پتے جھاڑ کر انہیں کھلائے۔ خود بھی پانی پیا اور سوچنے لگے کہ اب کس طرف کو سفر شروع کیا جائے۔ قطب ستارہ غائب ہو چکا تھا۔ بوڑھے بھتی نے کہا۔

”اگر ہم اس رُخ کو چلتے جائیں تو ایک روز اور ایک رات کے سفر کے بعد دریائے آمو کے کنارے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے میں دریا پار کر کے ملک تبت کی طرف روانہ ہو

جاؤں گا اور تم دریا کے ساتھ ساتھ تین روز سفر کرنے کے بعد ملک سندھ کے شمالی خطے میں داخل ہو جاؤ گے جسے قندھار کہتے ہیں۔

”کیا تم ثابت چلے جاؤ گے؟“

”ہاں! لیکن اگر تم بھی میرے ساتھ آنا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی نسبت پر اسرارِ بلاؤں اور جادو گروں کی سرزد میں ہے۔ میں تمہیں اپنے بیٹے سے ملاؤں گا۔ تم اسے مل کر بڑے خوش ہو گے۔“

”بابا! میں تمہارے ساتھ ضرور جاتا مگر اس وقت میرے ذمے ایک فرض ہے جسے ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ملک سندھ میں موہنجو داڑو پہنچ کر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد تمہارے ملک تم سے ملنے آؤں۔“

”میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ثابت کے شہر میں آکر تم بڑے پہجاری اتنا کر کا کسی سے پرچھ لینا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں اُسی کے پاس ہوں گا۔ مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہوگی۔“

”میں ضرور آؤں گا بابا! میرا خیال ہے اب یہیں یہاں سے نکل چلنا چاہیئے۔ وحشی ہن ملکہ ٹمیک کے حکم پر ضرور ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔“

وہ ابھی اٹھ کر چلنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ دُور

سے ساروں کی گرد اڑتی نظر آتی۔ وہ سمجھ گئے کہ وحشی ہن
 آن پہنچے ہیں۔ مگر دہاں صحرا میں کہیں بھی چھپنے کو جگہ نہ
 تھی۔ بوڑھا تبتی بے چارہ گجرا گیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ
 اُن کی موت سر پر پہنچ گئی ہے اور اب انہیں کوئی طاقت
 وحشی ہن قزم کے سپاہیوں سے نہیں بچا سکتی۔ اُس نے غنبر
 کی طرف دیکھ کر کانپتی ہوئی مانتا ہوا کہ

”اب کیا ہوگا بیٹے؟ دشمن کے سپاہی تو سر پر آن پہنچے
 ہیں؟“

غنبر نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے اپنے رب عظیم پر بھروسہ ہے۔ دشمن ہمارا کچھ
 نہ بگاڑ سکے گا۔ کیونکہ ہم بے گناہ ہیں۔ ہم نے اُن کے
 خلاف کوئی جرم نہیں کیا۔“

”مگر بیٹے وہ تو فنگی تلواریں لہراتے، گھوڑوں پر سوار بڑھے
 چلے آ رہے ہیں اور ہمارے پاس اس صحرا میں چھپنے
 کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ مجھے اپنی موت کا کوئی افسوس
 نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ لیکن
 تمہاری موت کا دکھ ضرور ہوگا۔ اس لئے کہ تم ابھی
 جوان ہو اور تم نے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا۔“
 ”بابا! تم میری موت کا فکر نہ کرو۔ یہ لوگ مجھے

مار نہ سکیں گے۔

”مگر بیٹا! وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور اُن کے پاس
تلواریں ہیں ہم تنہا ہیں اور شہتے ہیں۔ ہم اُن کا مقابلہ
کیسے کر سکیں گے۔ وہ یقیناً ہمیں ہلاک کر دیں گے۔“
”نکر نہ کرو بابا! جو میرے رب غظیم کو منظور ہوگا
وہی ہوگا۔“

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے گرد
چھٹ گئی اور اس میں سے چار گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔
وہ ہُن قوم کے وحشی سپاہی تھے۔ وہ چیمیں مارتے،
ننگی تلواریں لہراتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر
اور بوڑھے قیدی کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں ملکہ عمیکا نے حکم
دے دیا تھا کہ دونوں فرار ہوتے والے قیدیوں کو دیکھتے
ہی ہلاک کر دیا جائے اور اُن کی گردنیں کاٹ کر اُس کے
دربار میں پیش کی جائیں۔ کیونکہ عمیکا کی قید سے فرار ہو کر
انہوں نے ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا موت ہے۔
عنبر اور بوڑھا چپ چاپ کھڑے تھے۔ وحشی ہُن
گھوڑے دوڑاتے آئے اور اُن کے گرد کھیر ڈال کر مسرت
سے نعرے لگانے لگے۔ وہ ہوا میں اس طرح تلواریں لہرا
رہے تھے جیسے کسی دشمن کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ اُن وحشیوں

کا سردار گھوڑا دوڑاتے ہوئے عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر نے فوراً
 بوڑھے تبتی سے کہا کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔ بوڑھا جلدی
 سے زمین پر لیٹ گیا۔ سردار تلوار لہراتا ہوا عنبر کا سر تن
 سے جدا کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے پوری طاقت کے
 ساتھ اپنی تلوار عنبر کی گردن پر ماری۔ اُس کا خیال تھا بلکہ
 سارے وحشیوں کا خیال تھا کہ عنبر کی گردن سردار کا طاقتور
 وار کھا کنہ گاجر مولیٰ کی طرح کٹ کر ریت پر گر پڑے گی
 اور اُس کی لاش تڑپنے لگے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اُن کی
 آنکھوں کے سامنے تلوار عنبر کی گردن پر پڑی اور ٹوٹ کر
 دو ٹکڑے ہو گئی۔ جیسے کسی لوہے کی چٹان سے ٹکرا گئی ہو۔
 وحشی سردار چکر میں آ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین
 نہیں آ رہا تھا۔ زمین پر لیٹا ہوا بوڑھا تبتی بھی بھونچکا سا
 ہو گیا تھا۔ وحشی ہُن سپاہیوں نے جنگلی جانوروں کی
 طرح زور سے چیخیں ماریں اور اب دوسرا سپاہی سردار
 کا اشارہ پا کر تلوار لہراتا ہوا عنبر کی گردن قلم کرنے کے
 لئے آگے بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ سپاہی
 نے آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر تلوار
 کا بھرپور وار کیا۔ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی سپاہی کی تلوار
 عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ ایک چھنکے کی آواز پیدا ہوئی

اور تلوار دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی - سردار جیسی نی طرح کڑکا -

”اس کا قیمہ قیمہ کر دو“

سارے سپاہی تلواریں لہراتے غنبر پر لپکے اور دھڑا دھڑا اُس کے سر اور کندھوں پر تلواریں چلاتی شروع کر دیں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے ساری کی ساری تلواریں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت پر گر پڑیں اور سپاہیوں کے ہاتھوں میں صرف تلواروں کے دستے ہی رہ گئے۔ اب تو وحشی سپاہی غنبر کو سوچنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جس آدمی کو وہ قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہیں وہ کوئی دیوتا تو نہیں جو انسان کے بھیس میں اُن کے درمیان آ گیا ہے! دوسرے ہی لمحے اُن پر خوف طاری ہو گیا۔

اب غنبر کی باری تھی۔ اُس نے زمین پر سے ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک پھل اٹھا کر اُسے ہوا میں اچھال دیا۔ یہ پھل تیر کی طرح ایک سپاہی کی طرف لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے دل میں اتر گیا۔ سپاہی نے پہنچ ماری۔ خون کا فوارہ اُس کے سینے سے پھوٹا اور وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ غنبر دوسری تلوار کا پھل اٹھانے لگا تھا کہ وحشیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر اُس کے آگے

سجدہ کر دیا۔

”اے دیوتا! ہمیں معاف کر دو۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ تم دیوتا ہو۔ تم امارس دیوتا ہو۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم پر رحم کر دو۔“

عنبر اُن وحشی گنواروں کو کیا کہتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ بہر حال اُس نے اپنے خدا کا شکر ادا کیا کہ بوڑھے بنتی کی جان بچ گئی تھی۔ دگرہ اگر پہلا دار اُس پر کیا جاتا تو اُس کی گردن گاجر مولیٰ کی طرح منور کٹ جاتی۔ اسی لئے عنبر نے بوڑھے کو زمین پر لیٹ جانے کے لیے کہا تھا۔ سردار ابھی تک دوسرے سپاہیوں کے ساتھ سجدے میں گرا ہوا تھا۔ عنبر نے اس کے سر پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا۔

”میں نے تمہیں معاف کیا۔ جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ لیکن اپنے تازہ دم گھوڑے ہمیں دیتے جاؤ۔ اور خیردار سارا راستہ پیدل چلنا۔ اگر کسی جگہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے تو تم پر اسی دقت، اسی جگہ میرا عقاب نازل ہو جائے گا اور میں آسمانی بجلی بن کر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔“ سردار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”اے دیوتا! آپ کا جو حکم ہوگا ہم وہی کریں گے۔ یہ نازہ دم گھوڑے آپ لے لیجئے اور ہمیں اپنے ننھے ہونے گھوڑے دے دیجئے ہم واپس سارا راستہ پیدل چلیں گے اور ایک پل کے لیے بھی گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے۔“

”اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جلدی کرو۔“

تینوں سپاہی ایک بار پھر سجدہ کرنے کے بعد تھکے ہوئے گھوڑے لے کر واپس بھاگ گئے۔ بڑھا بھتی جیران ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں کر اور کیسے ہو گیا؟ اس نے زمین پر سے اٹھ کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اے نرجوان! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کیا واقعی تم کوئی دیوتا ہو یا تمہارے پاس کوئی زبردست جادو ہے؟“

عنبر نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”میں کوئی دیوتا نہیں ہوں بابا!“

”تو پھر تم سے یہ کرامت کیسے ہوئی کہ دشمن کی تلواریں تمہاری گردن سے ٹکراتے ہی ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں؟“

”یہ محض جادو کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“

عنبر بڑھے بھتی کو اپنے راز سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جادو اس زمانے میں ایک عام بات تھی۔

ہر کوئی کسی جادوگر کا شاگرد بن کر جادو کرنا سیکھ لیتا تھا۔ مگر بوڑھے تبتی نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ اُسے عنبر کی بات پر اعتبار نہ آیا۔ مگر اُس نے عنبر سے کوئی وضاحت بھی طلب نہ کی۔ اُس نے یہی ظاہر کیا کہ اُسے عنبر کی بات پر یقین آ گیا ہے۔ لیکن دل کے اندر اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنبر پر کسی آسیب کا سایہ ہے۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے میں نے سپاہیوں کو اسی لئے پیدل چلنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے بعد کوئی اور سپاہی ہمارا پیچھا کرنے یہاں نہ آ جائیں۔ جب تک یہ وحشی پیدل چلتے ملکہ غمیکا کے دربار میں پہنچیں گے ہم دریائے آمو کے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔“

وہ دونوں تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور آگے چل پڑے۔ وحشی سپاہیوں کے تازہ دم گھوڑے بڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ شاہی اسطبل میں خوراک کھا کھا کر وہ بڑے توانا ہو رہے تھے اور ہوا کی لہریں بن کر اڑے چلے جا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بہت جلد دریائے آمو کے

کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے بوڑھے بتتی کو عنبر سے جدا ہو جانا تھا۔ اُس نے عنبر کو گلے لگا کر پیار کیا اور کہا۔
 ”بیٹے تم نے اس بوڑھے کی جان بچائی ہے۔ میں تمہارے اس احسان کا کبھی نہ کبھی بدلہ ضرور اتاؤں گا۔
 میں اپنے دلیں تبت جا رہا ہوں۔ اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ پہلی فرصت میں میرے دلیں ضرور آنا۔ میرا بیٹا رتنا کر بڑا پروہت ہے۔ تم بڑی آسانی سے اُس تک پہنچ جاؤ گے۔

”خدا تمہارا نگہبان ہو بابا۔ میں مونہو ڈاؤ سے فارغ ہو کر تمہارے دلیں تبت کی سیر و سیاحت کرنے ضرور آؤں گا۔“

بوڑھے بتتی نے ایک بار پھر عنبر کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور اپنا گھوڑا دریا پار کرنے کے لیے پانی میں ڈال دیا۔ جب تک بوڑھے نے دریا پار نہیں کر لیا، عنبر کنارے پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ دریا پار کر کے بوڑھے نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔ دونوں نے ہاتھ ہلا کر ایک دوسرے کو اوداع کہا اور اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔
 بوڑھا تبت کی طرف اور عنبر مونہو ڈاؤ کی طرف۔
 ادھر بھائیس بے چاری ایک بار پھر ظالم سیاہ خام کی

قید میں مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی۔ اُس کی نقل حرکت پر زبردست پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ سیاہ فام نے اُسے اتنی بھی اجازت نہیں دے رکھی تھی کہ وہ اپنی کوٹھڑی سے ایک پل کے لیے باہر آ سکے۔ وہ سارا دن اور ساری رات کوٹھڑی میں پڑی رہتی اور اپنے رب عظیم کی عبادت کیا کرتی۔ اُس نے دل ہی دل میں کتنی بار اپنے منہ پر لے بھائی شامی اور عنبر کو یاد کیا اور سوچا کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے تو وہ اس کی مدد کرنے ضرور آئیں۔ لیکن دونوں تھائیں کی پریشانیوں سے بے خبر تھے۔ شامی واپس اپنے وطن سوہنجو ماٹرو پہنچ کر کاروبار میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا اور شہر میں اُس کا ایک بہت بڑا اسٹبل تھا۔ جہاں ملک ملک کے تاجر آکر اپنا مال فروخت کیا کرتے تھے۔

ایک روز تھائیں کو ایک کینز نے جو کہ کھانا دینے آئی تھی بتایا کہ سیاہ فام شہزادہ اسے گھوڑوں کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے۔ وہ بے چاری اپنا سرخام کر بیٹھ گئی۔ اُس کی قسمت میں ہی یہی کبھی تھا کہ وہ جالتور کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں

بکیتی رہے۔ وہ ایک جانور اور بھیڑ بکری بن کر رہ گئی
 مٹی۔ اس کی شخصیت اور عزت و وقار ختم کر کے رکھ
 دیا گیا تھا۔ اس نے کینز کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ
 بے بس و مجبور عورت ہے۔ اس کا مالک اگر اسے مار
 بھی ڈالے تو وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ کینز بے چاری بھی
 اس کی حالت پر آنسو بہاتی واپس چلی گئی۔

اس کی اطلاع بالکل صبح تھی۔ دو روز بعد سیاہ فام
 شہزادے کے ہاں گھوڑوں کا ایک سوداگر آن کر بٹھرا۔
 سیاہ فام اسے لے کر ٹھانیس کی کوٹھڑی میں آیا۔ سوداگر
 ایک گول مٹول کا اور کھڑا بجوٹا آدمی تھا جس کی ایک
 ٹانگ لنگڑی تھی اور وہ چھڑی کے سہارے چلتا تھا۔
 اس نے ٹھانیس کی طرف گھور کر دیکھا۔ سیاہ فام شہزادے
 نے کہا۔

”میں نے اس کینز کو ایک لاکھ بیس ہزار درہم میں
 خریدا تھا۔ یہ کینز بین کے بادشاہ حموربی کے حرم میں
 رہ چکی ہے اور شاہی ادب و آداب سے پوری طرح
 واقف ہے۔ یہ بڑی سلیقہ مند اور وفادار کینز ہے
 گھر میں اگر ایک ہزار آدمیوں کی بھی دعوت ہو تو یہ
 پک جھپکنے میں سارے کا سارا بندوبست کر دیتی ہے

اور اپنی گرانی میں ایسے عمدہ کھانے پکواتی ہے کہ لوگ
مدتوں یاد رکھتے ہیں۔

گھوڑوں کے تاجر نے کہا

”ہمیں آپ کی زبان پر بھروسہ ہے۔ ہم اسے ایک
لاکھ بیس ہزار درہم میں آپ سے خرید لیتے ہیں۔ ہمیں
آپ کی دستی اس کینز سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم آپ
کو ناامید نہیں کرنا چاہتے۔ آج سے یہ کینز ہماری ہے۔

آئیے دالان میں بیٹھ کر رقم گن بیٹے۔
وہ دونوں باہر پلے گئے۔ تھانیس کی آنکھوں میں آنسو
آگئے۔ وہ ایک بار پھر بیچ دی گئی تھی۔ کاش کوئی تو
اسے اپنی بہن یا ماں سمجھ کر اُس سے بات کرتا۔ کوئی تو
اُسے بیٹھ کر کہہ کر پکارتا۔ مگر وہاں کوئی بھی اُس کا بیٹا،
بھائی یا باپ نہیں تھا۔ وہ سارے کے سارے سوداگر
مٹے اور اُسے ایک جانور کی طرح ایک ہاتھ سے خرید کر
دوسرے ہاتھ میں فروخت کر رہے تھے۔

تھانیس اپنے رب عظیم کی رضا سے راضی ہو گئی۔
وہ سبر شکر کرتے بیٹھ گئی۔ وہ بے پاری اس کے
علاوہ اور کبھی کیا سکتی تھی!

نگڑے سوداگر نے دالان میں آکر سکوں کی تھیلیاں

کھول کر تخت پر ڈال دیں اور پوری کی پوری رقم گن کر سیاہ فام کے حوالے کر دی۔ سیاہ فام نے ساری رقم ایک تھیلے میں ڈال کر اپنے غلام کو دی اور سوداگر سے کہا۔ ”آپ کمینز کے ملک ہیں۔ جس دقت چاہیں اسے لے جا سکتے ہیں۔“

”میں ابھی اسے ساتھ لے کر یہاں سے اپنے وطن کی طرف کوچ کر جانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ مال ہے شاید اسے راستے میں ملک سندھ میں فروخت کرنا جاؤں اس لئے جلدی سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔“ جیسے آپ کی مرضی۔

سیاہ فام نے کوٹھڑی میں جا کر تھامیں کے دونوں لمٹوں میں رستی باندھی اور اسے ایک جانور کی طرح باہر نکال کر لٹاڑے سوداگر کے پاس آگیا۔ رستی لٹکے سوداگر کے اٹھتے ہیں تھمتے ہوئے اس نے کہا۔ یہ آج سے آپ کی ملکیت ہے۔“

سوداگر نے تھامیں کو ایک اونٹ کے کچادے پر بٹڑھی کمینز کی حفاظت میں سوار کر دیا اور اپنے قافلے کے ساتھ ملک سندھ کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ سوداگر ملک آسام کا رہنے والا تھا۔ اور راستے میں موسیجو ڈاڑو کے

شہر میں اپنے کچھ کھوڑے اور اونٹ فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مسرے سے موہنجو داڑو کی طرف ایک ٹھکانا دینے والا طویل سفر شروع ہو گیا۔ ٹھکانیں دوسری یا شاید تیسری بار یہ لمبا اور مصیبت کا مارا سفر کر رہا تھی۔ بوڑھی کینز اگرچہ اُس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کر رہی تھی پھر بھی ٹھکانیں کی آنکھوں میں اپنے ماں باپ کو یاد کرنے کے بار بار آنسو آ جاتے تھے۔ اُسے ابھی تک بالکل علم نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو سفر کر رہی ہے اور یہ کہ اُن کی منزل کون سا شہر ہے۔ سفر کرتے ہوئے اُسے ایک مہینہ ہو گیا تو ٹھکانیں نے محسوس کیا کہ وہ جن راستوں پر سے گزر رہی ہے وہ اُس کے دیکھے بھالے ہیں۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے بوڑھی خادمہ سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کس شہر کو جا رہے ہیں۔ خادمہ نے سوچا کہ انہیں سفر کرنے ہوتے ایک مہینہ ہو گیا ہے اب بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اُس نے کہا۔

”ہم موہنجو داڑو کی طرف جا رہے ہیں۔“
 اتنا سنا تھا کہ ٹھکانیں کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ مگر اس نے اپنی خوشی بوڑھی خادمہ سے چھپائے رکھی۔

مونیجو داڈو اُس کے اپنے وطن کا سب سے تیزی
شہر تھا۔ اور پھر مونیجو داڈو میں عبث تھا۔ اس کا مسہرہ
بھائی شامی تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ اُن سے ملنے کی
کوشش کر سکتی تھی اور اگر ایک یا دو اُن سے مل
گئی تو وہ اُسے اس غلامی سے ضرور نجات دلا کر
ہی دم لیں گے۔

ڈیڑھ ماہ کی طویل مسافت کے بعد لنگڑا سوداگر
اپنا قافلہ لے کر مونیجو داڈو کے شہر میں داخل ہو گیا۔
وہ شام کو کامواں سرائے میں اترے۔ سارے قافلے
والے تھکے ہوئے تھے۔ وہ سرائے میں اترتے ہی
کھانا وغیرہ کھا کر سو گئے۔ تھائیس رات بھر جاگتی رہی
اور سرائے کی سلاخ دار کھڑکی میں سے باہر دیکھتی
رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی عورت ادھر سے گزرتی ہوئی
مل جائے جس کے ہاتھوں وہ شامی یا خنبرے کے لیے
پیغام بھجوائے۔ مگر رات کے وقت ادھر سے کوئی
نہ گزرا۔ علاوہ انہیں لنگڑے سوداگر کا بد شکل کالا
بھدا غلام تلوار لیے بار بار کوٹھڑی میں آ کر دیکھ
جاتا تھا کہ تھائیس کیا کر رہی ہے۔ وہ صبح کا انتظار
کرتے کرتے سو گئی۔ اُس کی آنکھ کھلی تو دھوپ

نکل آئی تھی اور باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے
 باتیں کر رہے تھے۔ تھائیس نے دروازے کے
 ساتھ کان لگا کر سنا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے
 ایک آواز اس کی جانی پہچانی ہے۔

وہ جانی پہچانی آواز کس کی تھی؟
 تھائیس کو لنگڑے تاجر کی غلامی سے کیسے
 نجات ملی؟ عنبر موجوداڑو کیسے پہنچا؟
 وحشی مہن قرم نے ملکہ عہکا کی قیادت
 میں حملہ کیا تو اس کا کیا انجام ہوا؟ عنبر
 نے ملک ثبت میں جا کر کیسے کیسے اسرار
 دیکھے؟
 یہ سب کچھ اس ناول کی ساتویں قسط
 میں ملاحظہ کیجئے گا۔

طلسماتی ناول

جناب آغا اشرف کی طلسماتی تحریر نے ایک نیا انداز پکڑا ہے۔
 پرویز کی زندگی ایسے ایسے طلسماتی واقعات میں گزرتی ہے کہ پڑھتے پڑھتے
 آپ کے رونگٹے کھڑے ہوتا ہیں گے۔

۴۰۰ -	سنہری سیب کا عرق
۴۱ -	کالا سورج
۴۲ -	آنکھ میں جنگل
۴۳ -	لاشوں کی ہری
۴۴ -	شیطان کی کھوپڑی
۴۵ -	وحشی پرندے
۴۶ -	خبیث روحیں
۴۷ -	خون کا غسل
۴۸ -	بھوت محل
۴۹ -	شوطار ناگ

انشاء اللہ آپ پڑھیں گے تو داد دیئے بغیر نہ رہیں گے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

۱۹۹ - سر کمر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۵۴۰۰۰

آغا اشرف کے قدم سے

حق و باطل کی جنگ کے عبرتناک واقعات

اسلام نے کونے کونے تک دنیا کو اپنے پیغام میں اور مومن کا گریہ حالات کے تحت بے یقینیوں میں ہر جگہ اپنے پیغام کے سبب اور اس کی بات کو
 داستان پرستی و دلچسپی میں اسلامی مکتبوں کا مکمل سیٹ !!

- | | |
|---------------------|----------------------|
| ۱۔ حق و باطل کی جنگ | ۲۔ حق و باطل کی جنگ |
| ۳۔ حق و باطل کی جنگ | ۴۔ حق و باطل کی جنگ |
| ۵۔ حق و باطل کی جنگ | ۶۔ حق و باطل کی جنگ |
| ۷۔ حق و باطل کی جنگ | ۸۔ حق و باطل کی جنگ |
| ۹۔ حق و باطل کی جنگ | ۱۰۔ حق و باطل کی جنگ |

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ میاں پور ○ راجپوت